

نوائے نقب

مولانا غلام غوث ہزاری

کے

انسٹریوٹرز اور تقاریر کا مجموعہ

غزنی پبلیکیشنز

۵۶ - میکلوڈ روڈ ، لاہور

مولانا غلام غوث ہزاروی ^{نظلاً}

آپ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں سے ہیں۔ متعدد کتب میں اہقر کے ہم سبق رہے ہیں۔ علمی استعداد شروع سے مضبوط تھی۔ اصل وطن ضلع ہزارہ (پاکستان) ہے۔ صاف گو خطیب ہیں۔ آپ کی صلاحیتوں کے پیش نظر آپ کو جمعیت علماء اسلام پاکستان کا ناظم منتخب کیا گیا ہے۔ موصوف کی علمی شہرت کی بنا پر مصر نے آپ کو بطور نمائندہ جمعیت علماء اسلام پاکستان دعوت دی اور آپ نے وہاں کی عالمی موتمر میں علماء عالم کو خطاب فرمایا۔ آپ کا شمار وہاں کے مشاہیر میں ہے۔

قاری محمد طیب تتم دارالعلوم دیوبند



پروہ اٹھاؤں اگر چہرہ افکار سے
لانہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب!
جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روح اُمم کی حیات کشمکش انقلاب!

اقبال

25/4/1392
میرزا حسن علی

نوائے انقلاب

انٹرویوز و تقاریر	مولانا غلام غوث ہزاروی
مرتب	شمس القبر قاسمی
سرورق	سید انور حسین نفیس رقم پلہ
کتابت	حافظ ارشاد احمد تلمیذ نفیس رقم
مطبع	شرکت پرنٹنگ پریس
طبع	اول - دسمبر ۱۹۶۲ء
صفحات	ایک سو اٹھٹیس
قیمت	چار روپے پچاس پیسے

ناشر:

غزنی پبلیکیشن

۵۶- میکوڈ روڈ، لاہور

پیش لفظ

بلاشبہ اسلام جامع و ہمہ گیر اور تمام ادوار کے تقاضوں پر محیط دین ہے اور بنی نوع انسان کی زندگی کے تمام شعبوں میں قدم قدم پر رہنمائی کرتا ہے۔ ایسے غیر متبدل اور مستقل اقدار پر مبنی دستور حیات کے ذریعے بھی اسی وقت کوئی انقلاب یا تبدیلی رونما ہو سکتی ہے کہ جب مسلمان اس پرچہ یقین رکھتے ہوں اور اُسے مقصد زندگی بھی سمجھتے ہوں، یقین کامل ان کا سرمایہ ہو تو اطمینان قلب ان کی متاع عزیز ہو اور ان کے دل و دماغ یکسوئی کی دولت سے بھی بالامال ہوں۔

اس کے ساتھ ہی ان کے اذہان فکر و نظر کی پراگندگیوں سے بھی پاک ہوں اور دماغی الجھنوں سے بھی مبرا ہوں، شکوک و شبہات سے ان کا کوئی علاقہ نہ ہو تو تردد کے لیے بھی ان کے سپلو میں کوئی جگہ نہ ہو، تذبذب ان کے قریب نہ پھسکے تو غیر یقینی بھی ان سے کئی کترا کر نکل جائے اور ان کی سوچوں کے محل میں خیاام خیالی کو بھی قدم رکھنے کا موقع نہ مل سکے۔

جب یہ بنیادی اور لازمی جوہر پیدا ہو جائے تو انقلابی جماعت میں اُس کی اپنی تعلیمات کے مطابق امتیازی خصوصیات اجاگر ہو جاتی ہیں۔ ہر انقلابی قابل تقلید اور لائق تحسین سیرت و شخصیت کا مالک بن جاتا ہے۔ ہر شخص صفات حمیدہ سے متصف ہو جاتا ہے۔ ہر فرد کا اخلاق اور کردار اچھائی سے آراستہ ہوتا ہے۔ ہر رکن میں اتحاد و اتفاق رچ بس جاتا ہے۔ ہر ممبر اخلاص و ایثار کا پیکر دکھائی دیتا ہے۔ ہر رکن اخوت و محبت کا مجسمہ نظر آتا ہے۔ الفت و مروت ان کو اپنی بانہوں میں لے لیتی ہے اور انس و پیار ان سے لپٹ لپٹ جاتا ہے۔

ان خوبیوں اور محاسن کی وجہ سے انقلابیوں کی کبر و نخوت سے نفرت کا چرچا زبان زد عام ہوتا ہے۔ مکبر و غرور کوینح دین سے اکھاڑ پھینکنا ان کا نصب العین بن جاتا ہے۔ بڑائی اور اونچائی

کی گھٹائیں تلی کھڑی ہیں یا ظلمت و تاریکی کی آندھیاں چل رہی ہیں۔ فحاشی و عریانی کا طوفان بدتمیزی بپا ہے یا بد اعمالیوں کے جھکڑ چل رہے ہیں۔

اس صورت کے پیش نظر فرعون مصر کا دبدبہ ان کے آڑے آسکے گا، نہ نارودہ کا عجب ہمان کا خوف انہیں بچھے دھکیل سکے گا نہ شداد کا ڈر۔ قارون کی دولت انہیں خرید سکے گی نہ یودیوں کا سرمایہ۔ ابوطالب کا پیار کا رگڑ ثابت ہو سکے گا نہ ابو جہل کی قرابت داری۔ کفار و مشرکین کا ظلم و ستم انہیں باز رکھ سکے گا نہ منافقین کی ریشہ دوانیاں۔ ملاحدہ و زنادقہ کی کینہ توڑیاں کچھ کر سکیں گی نہ خوارج و معتزلہ کی طوفان خیزیاں۔ تاتاریوں کی یلغار انہیں روک سکے گی، نہ مخالفوں کے تلاطم خیز تھپیڑے۔ وہ فرزند ان اقتدار کی دھمکیاں خاطر میں لائیں گے نہ افسران بالا کے آرڈی ننس اور مغرب کی سحر ازیاں انہیں اپنی لپیٹ میں لے سکیں گی نہ یورپ کی زرق برق ان کی آنکھوں کو خیرہ کر سکے گی۔

بلکہ ایسے پرعزم اور عالی ہمت نفوس تو پنڈلیاں لولہاں کر اگر بھی فرحت محسوس کرتے ہیں اور پتھر کھا کر بھی۔ اگر دھوئیں سے اٹے ہوئے تنگ و تاریک کمرے میں کپڑوں میں لپیٹ کر بھی بند کر دیا جائے تو خوشی سے پھولے نہیں سماتے اور اگر انہیں شدید زود کو بکریا جاتے تو بھی ان کے چہرے مسرت سے معمور دکھائی دیتے ہیں۔ تپتی ہوئی ریت انہیں اپنے موقف سے ہٹا سکتی ہے نہ دھکتے ہوئے انگارے ان کا ایمان ایقان چھین سکتے ہیں۔ والدین کی فطری محبت سے محرومی ان پر اثر انداز ہو سکتی ہے نہ معاشرتی بائیکاٹ انہیں مجبور کر سکتا ہے۔ غرض کہ کوڑے کھا کر بھی ان کا سر فخر سے بلند رہتا ہے تو سزا بھی ان کے لیے راحت بن جاتی ہے۔ جیل سے جنازہ نکلنا بھی ان کی سعادت کا حصہ بن جاتا ہے تو تختہ دار کو بوسہ دینا بھی ان کے لیے معمولی کام ہوتا ہے۔ کالے پانی کو وہ اپنا گھر تصور کرتے ہیں تو جیل خانے ان کے لیے دارالمطالعہ کا کام دیتے ہیں۔ وہ باطل کا مقابلہ ایوان اسبلی میں بھی جرات کے ساتھ کرتے ہیں اور قول و فعل کی ہم آہنگی کی دولت سے بھی۔ وہ وقت کے ڈکیتی کی آنکھوں

میں آنکھیں ڈال کر بھی بات کرتے ہیں اور عدالت میں بھی سر پر کفن باندھ کر جاتے ہیں اور موت کو کھلونا سمجھتے ہیں اور تو اور ان کی تو مائیں بہنیں اور بہو بیٹیاں اپنے شیشہ ہائے عصمت میں برچھیاں کھا کر بھی کامرانی و شادمانی کے گیت گاتی ہیں۔

مختصر یہ کہ انقلابیوں کو اس کی پاداش میں فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنی پڑے۔ یا تکالیف و مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ مصیبتوں کے دن دیکھنے پڑیں یا گردش ایام سے دوچار ہونا پڑے۔ ان کا جینا دو بھر کر دیا جائے یا ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا جائے۔ ان کا سرتن سے جدا کر دیا جائے یا انہیں طرح طرح کی اذیتیں پہونچائی جائیں۔ انہیں جیل کی کال کوٹھڑیوں کی زینت بنا دیا جائے یا ان کے خون کی سرخی سے تختہ دار کی تزیین کی جائے۔ شاملی کے میدان میں ان کے خون سے بھولی کھیلی جائے یا انہیں درختوں پر اٹاٹکا کر ان کے دماغوں کو کھولا دیا جائے۔ ان کے جسم کی بوٹی بوٹی کر دی جائے۔ یا انہیں جلا کر راکھ کر دیا جائے۔ انہیں برف کے تودوں پر لٹا دیا جائے یا ان پر گولیوں کی بارش برسائی جائے۔ ان پر غنڈوں کے ذریعے قاتلانہ حملہ کر دیا جائے یا لاٹھی چارج ایسے اوجھے ہتھکنڈوں کا استعمال کیا جائے۔ ان پر پابندی لگا دی جائے یا وقتاً فوقتاً الزامات عائد کیے جائیں۔ دست بہ زنجیر کر دیا جائے یا پابہ سلاسل کیا جائے۔ ٹانگیں توڑنے کی دھمکی دی جائے یا مساوی نمائندگی سے محروم رکھا جائے۔ پروپیگنڈا کیا جائے یا افواہیں پھیلانی جائیں۔ قتل کے منصوبے تیار کیے جائیں یا سازشوں کے جال بچا دیے جائیں۔ لیکن پھر بھی وہ اپنی تحریک کو جاری رکھیں گے۔

جب انقلابی جماعت اس مقام تک پہونچ جاتی ہے تو اس کی "نوائے انقلاب" رفتہ رفتہ آہستہ آہستہ اور بتدریج عملی شکل اختیار کرتی چلی جاتی ہے۔ اس کے راستے میں بڑی سے بڑی مصیبت بھی رام ہو جاتی ہے۔ ہر کاوٹ خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتی ہے۔ آہنی دیواروں کو زنگ کھا جاتا ہے۔ باطل کے تمام ارادے خاک میں مل جاتے ہیں۔ کفر کے قلعوں میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں۔ شیطنیت کی عمارت میں شکاف پڑ جاتے ہیں۔ استحصال

سکیاں لے لے کر دم توڑ دیتا ہے۔ سرمایہ داروں کا بندھن پاش پاش ہو جاتا ہے۔ معاشرہ کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ غلامی کی زنجیریں کٹ جاتی ہیں۔ تمام طاقتیں پسپا ہو جاتی ہیں اور ان کا چہرہ سرمگوں ہو جاتا ہے۔ کیونکہ

حالات کی کشتی کے جو بھی پتواری سنوارا کرتے ہیں
گرداب بھی بچتے ہیں ان سے طوفان بھی کنار کرتے ہیں

تو تحریک اپنا رنگ لاتی ہے۔ فتح کا علم بلند ہوتا ہے۔ کامیابی قدم چومتی ہے۔ کامرانی کی سرسبز و شاداب کھیتیاں لہلہاتی ہیں۔ فلاح و بہبود کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔ تمام افراد مملکت کے لیے کمائی کے یکساں ذرائع میسر آتے ہیں۔ ہر آدم زاد کی بنیادی ضروریات زندگی انقلابی حکومت بہم پہنچاتی ہے۔ سرمایہ اور محنت کے حسین امتزاج سے عام گناہوں اور جرائم کی جڑ کاٹ دی جاتی ہے۔ زر محض تبادلوں اشیا کا ذریعہ بن کر رہ جاتا ہے۔ اخلاقی قدریں مستقل قرار پاتی ہیں اور تخلیق کائنات کو با مقصد قرار دے کر خالق کائنات کی حاکمیت کا یقین دلوں میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ جس کے تحت انسان کو با مقصد زندگی بسر کرنے کا تصور دیا جاتا ہے۔ اس طرح سیاسی نظام میں حاکمیت اللہ کی سکھائی جاتی ہے تاکہ مستقل اقدار میں اکثریت و اقلیت کی رایوں کا سلسلہ ہی ختم کر دیا جائے اور ہر بات میں وحی سے رہنمائی حاصل کی جائے اور انقلابی جماعت اتنی غیرت مند ہوتی ہے کہ اگر کوئی فرد اپنے خبیث باطن کی وجہ سے یا کسی کے اشارے پر اپنی ہی تعلیمات کے خلاف سازش کرے یا اپنے قول و فعل سے ان کی تکذیب کرے تو وہ اُسے صفحہ ہستی سے مٹا دیتی ہے کہ کہیں یہ اپنے شر سے پورے ماحول ہی کو گندہ نہ کر دے اور نہ وہ کسی ایسے شخص کو اپنا سربراہ دیکھنا پسند کرتی ہے جو اس کے پروگرام سے مختلف عقائد و نظریات کا حامل ہو۔ انقلابی جماعت اس قدر مستحکم اور پائیدار بنیادوں پر اسی وقت تک قائم رہ سکتی ہے کہ جب تک وہ حکمت عملی کے تقاضوں کو پورا کرتی رہے باہمی مشاورت کا خیال رکھے نظم و ضبط کی شرائط پر پوری اترتی رہے اور مسلسل و پیہم جدوجہد جاری رکھے۔

قارئین کرام ! قوم میں ان ہی اصول و ضوابط کے مطابق شعور پیدا کرنے کے لیے مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی ایسے اسلام کے نامور سپوت، جنگ آزادی کے علمبرداروں کے فرزند، میدان سیاست کے سپہ سالار اور جمیعتہ علماء اسلام کے قائد کے انٹرویوز اور صوبائی و قومی اسمبلیوں کی تقاریر کا مجموعہ ”نوائے انقلاب“ کے نام سے آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے اور ”اذانِ سحر“ کے بعد یہ پیش کش ”عزیز پبلی کیشنز“ کی سعادت کا حصہ بن رہی ہے۔

اس پر ہم بھی ادارہ کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں کیونکہ اس نے اکابر کی علمی امانت کو یک جا شائع کر کے امت مسلمہ اور آئندہ نسلوں پر عظیم احسان کیا ہے۔ اب اہل ذوق کے تعاون کی ضرورت ہے تاکہ یہ سلسلہ باقاعدگی سے چلتا رہے اور یہ وقت کا اہم تقاضا بھی ہے کیونکہ جو قوم اپنے اسلاف کی علمی وراثت کو نسل و نسل منتقل کرنے کے قابل نہیں رہتی وہ ایک نہ ایک دن کسی دوسری قوم میں گم ہو کر اپنا قومی تشخص کھو بیٹھتی ہے، اس کی تہذیب و ثقافت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے امتیازی نقوش مٹ جاتے ہیں۔ صفحہ ہستی سے محض عقل انسانی کے بنائے ہوئے دساتیر حیات کی طرح مٹ جاتی ہے اور ڈھونڈے سے بھی اس کا کوئی نام لیوان نہیں ملتا۔

شمس القمر قاسمی

۱۵ نومبر ۱۹۷۲ء



انٹرویو

(یہ انٹرویو کراچی سے شائع ہونے والے اکتوبر ۱۹۶۹ء
کے ماہنامہ "عالمی ڈائجسٹ" سے لیا گیا ہے۔)

فرزندِ اسلام

پاکستان کے ممتاز رہنما حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی اور حضرت مولانا مفتی محمود صاحب پچھلے دنوں ایک مختصر سے دورے پر کراچی تشریف لائے۔ میں ان دونوں حضرات کے انٹرویو لینا چاہتا تھا۔ لیکن ان کی شدید ترین مصروفیات کے پیش نظر میری یہ خواہش پوری ہوتی کچھ مشکل نظر آرہی تھی۔ بہر کیف قسمت آزمائی کے ارادے سے میں دوسرے روز کسی قسم کی اطلاع کیے بغیر نیوٹاؤن کی جامع مسجد میں جا پہنچا۔ یہاں یہ دونوں حضرات قیام فرماتے۔ مسجد کے دروازے پر ہی مجھے ایک صاحب مل گئے جو مجھے اس کمرے کی طرف لے گئے جہاں حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی تشریف فرماتے۔ کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا اور باہر بہت سے حضرات جمع تھے۔ ان میں غالباً کچھ جمعیتہ کے کارکن تھے اور کچھ ملاقاتی۔ اس وقت مولانا ایک اور مقامی صحافی کو انٹرویو دینے میں مصروف تھے۔ میں نے بھی اپنا کارڈ اندر بھجوا دیا اور میری یہ خوش قسمتی تھی کہ مجھے فوراً ہی اندر بلوایا گیا۔ اس سے پہلے مجھے کبھی مولانا سے ملاقات کا شرف

حاصل نہ ہوا تھا۔ گذشتہ دنوں اخبارات وغیرہ میں ان کے پھینے والے بیانات اور گھن گرج، جس سے ان کے مخالفین کا سکون غارت ہو چکا ہے اور نام کے ساتھ ہزاروں کی نسبت سے میں نے اپنے ذہن میں ان کی شخصیت کا جو خاکہ بنا رکھا تھا وہ کچھ اس قسم کا تھا۔ دراز قد، وجیمہ، توانا اور ادھیڑ عمر کے عالم دین۔ لیکن کمرے میں داخل ہونے کے بعد میری نظریں جس بزرگ پر پڑیں وہ ایک دبیلے پتلے منحنی قسم کے شخص تھے جو بڑے دھیمے نرم اور صاف لہجے میں گفتگو کر رہے تھے۔ انہوں نے بے حد سادہ لباس پہن رکھا تھا۔ استری اور کلف سے بے نیاز کرتا اور شلو اور سر پر کٹے اور طرے سے آزاد دھیانی پنجابیوں کے سے انداز میں باندھی ہوئی پگڑی۔ یہ تھے مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی جنہیں مجاہد ملت، بطل حریت اور دین کے ایک بڑے مجاہد کی حیثیت سے بھی جانا جاتا ہے۔ میں بھی دوسرے چند حضرات کی طرح مولانا کے قریب ہی فرش پر بھیجی ہوئی چاندنی پر ایک طرف بیٹھ گیا۔ مولانا چونکہ انٹرویو دے رہے تھے اس لیے میری طرف مخاطب نہ ہوئے۔ باہر ملاقاتیوں کا ہجوم، دن بھر کی مصروفیات اور پھر ایک انٹرویو کے بعد ہی فوراً دوسرا انٹرویو۔ میں سوچ رہا تھا کہ شاید مولانا مجھے انکار کر دیں۔ ایک کچھ تر سالہ بزرگ سے اس قسم کی توقع غلط نہ تھی۔ لیکن میری توقعات کے برعکس تھوڑی ہی دیر بعد اس صحافی کو فارغ کرتے ہوئے مولانا میری طرف متوجہ ہوئے۔

”ہاں صاحب! کیا پوچھنا ہے آپ نے؟ پوچھیے“

ان کی آواز یا چہرے سے کسی قسم کی تکان کا اظہار نہ ہوتا تھا۔

مختیار ملک



میں نے گفتگو کا آغاز کرنے کے لیے ایک تمہیدی سوال کر ڈالا۔

اغراض و مقاصد

قبلہ آپ کی جماعت کے اغراض و مقاصد کیا ہیں اور آپ انہیں کیسے عملی جامہ پہنائیں گے۔؟

ہماری جماعت کا نام جمعیتہ علماء اسلام پاکستان ہے اور اگر ایک جملے میں آپ اس کا مقصد معلوم کرنا چاہیں تو وہ ہے قرآنی آئین کا نفاذ۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ پاکستان میں اسلامی اقدار کا نفاذ، مغربی تہذیب کا اخراج، ملکی استحکام، احیائے دین کے لیے کوشش، مسلم ممالک کے ساتھ براہِ راست تعلقات قائم کرنے کے لیے جدوجہد اور ملک کی داخلہ و خارجہ پالیسیوں کو صرف ملکی اور اسلامی مفادات کے عین مطابق بنانا۔ اپنے ان مقاصد کی تکمیل کے لیے ہم سارے ملک کا دورہ کر رہے ہیں اور ہم نے ہر ضلع میں جمعیتہ کی شاخیں اور دفاتر قائم کیے ہوئے ہیں۔ بعض اضلاع میں جمعیتہ کی دوسو کے قریب شاخیں ہیں۔ ہم نے ایک مرکزی جمعیتہ علماء اسلام کی بھی تشکیل کی ہے۔ جس کے امیر حافظ الیحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی اور ناظم عمومی حضرت مولانا مفتی محمود ہیں۔ اس کے تحت ہر دو صوبوں میں صوبائی جمعیتیں بھی قائم کی گئی ہیں۔ ہم سارے ملک میں تبلیغی جلسوں و عظموں اور دوروں کے ذریعے تمام مسلمانوں کو اسلامی مقاصد کی خاطر اپنے ساتھ ملانے کی سعی کرتے ہیں۔ ۱۹۵۶ء سے ہم نے ایک ہفتہ وار آرگن ”ترجمان اسلام“ لاہور سے جاری کر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ جمعیتہ مختلف رسالوں اور مبلغوں کے ذریعے بھی اپنے اغراض و مقاصد کی اشاعت کرتی رہتی ہے۔ اپنے انہی مقاصد کی تکمیل کے لیے ہم آئندہ انتخابات میں حصہ لینے کے حامی ہیں۔

جاگیر داری، زمین داری اور سرمایہ داری

ہمارے ملک کے چند علماء اسلام میں جاگیر داری اور سرمایہ داری کو جائز قرار دیتے ہیں اس بارے میں حضرت مولانا کا نقطہ نظر معلوم کرنے کے لیے میں نے ایک سوال کیا :

حضرت کیا اسلام میں جاگیر داری اور سرمایہ داری جائز ہے ؟

انھوں نے نہایت سکون سے فرمایا :

اسلام ایک کامل دین ہے اور اس میں تمام زمانوں، تمام قوموں اور تمام ملکوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ایسی جاگیریں اور مرلے جو کہ ناجائز طور پر انگریزوں کی فوجی خدمات کے صلے میں یا کسی اور غیر اسلامی خدمت کے عوض میں کسی کو دیے گئے ہوں تو ان کا ضبط کرنا اور انہیں قومی مفاد میں استعمال کرنا شریعت کے عین مطابق ہے۔ لیکن ایسا ہو سکتا ہے کہ ضرورت کے تحت کسی کو کوئی جائداد میا کر دی جائے۔ یا کوئی شخص زمین کے کافی قطعات اپنے قبضے میں رکھ لے۔ مگر ایسے حالات میں جب کہ ملک کے کروڑوں مسلمانوں کا سوشلزم کی طرف مائل ہونے، فقر و فاقہ یا نادانی سے اسلام کو ترک کرنے پر آمادگی کا خطرہ درپیش ہو تو امت کے حلیل القلم علماء کو چار مذاہب کے اندر قرآن و حدیث کی روشنی میں فتوے دینے اور مسلمان امت کو مزدوروں اور کسانوں کی خاطر مختلف اصلاحی اقدام کرنے کی اجازت ہوتی ہے تاکہ وہ کسی قسم کے استحصال اور جبر کے بغیر اطمینان اور سکون کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر سکیں۔ یہ تو ہے جاگیر داری اور زمین داری کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر، اور جہاں تک سرمایہ داری کا تعلق ہے۔ اسلام فرد کے مفاد کے بجائے جماعتی مفاد کو مقدم قرار دیتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ انفرادی ملکیت سے بھی انکار نہیں کرتا اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں زکوٰۃ اور وراثت کا قانون جاری ہے۔

اسلام نہ تو سوشلزم کی تعلیم دیتا ہے جس سے تمام ذاتی ملکیتوں کو ختم کر کے حکومت اپنے قبضے میں کرے اور نہ ہی وہ مضر قسم کی سرمایہ داری کو برداشت کرتا ہے جس کے تحت سودی

کاروبار، عوام کی تباہی اور ملک کی ساری دولت پر چند خاندانوں کے قابض ہونے کی لعنت پیدا ہوتی ہے۔

عالم اسلام کا بڑا دشمن

گفتگو بڑے دلچسپ موڑ پر آگئی تھی۔ مولانا عالمانہ انداز میں بنیادی مسائل پر اظہار خیال فرما رہے تھے کہ میں نے ان سے ایک اور سوال کیا :

آپ کے خیال میں اس وقت عالم اسلام کا سب سے بڑا دشمن کون ہے ؟
 ”گذشتہ تیرہ سو سال سے اسلام کا سب سے بڑا دشمن مغربی سامراج رہا ہے اور صلیبی جنگیں اس کی شاہد عدل ہیں۔ امریکہ آج تک تمام مغربی سامراج کا سرغنہ بنا ہوا ہے۔ اس نے ۱۹۶۵ء میں ہندوستان سے پاکستان پر حملہ کرایا اور پاکستان کے ساتھ دفاعی معاہدات کے باوجود ہندوستان کی ہر طرح سے مدد کی۔ جیسے ایک حرامی مرغی کڑکڑ تو ایک گھر میں کرے اور انڈے دوسرے گھر میں دے۔ دنیا کا یہ اتنا بڑا ملک دھوکے اور فریب سے دوست کو تباہ کرنے میں کبھی نہیں چوکتا۔ حیرت کی بات ہے کہ تسخیرِ مہتاب کا عظیم کارنامہ امریکہ کے کتنے بڑے خلاقی منزل کے ساتھ ملا جلا ہے۔ اس کے بعد امریکہ نے ۱۹۶۶ء میں یہودیوں سے عربوں پر حملہ کرایا۔ دراصل یہ جنگ یہودیوں نے نہیں بلکہ اینگلو امریکی سامراجیوں نے لڑی اور عربوں کو عظیم نقصان پہنچا کر صلیبی جنگوں کا بدلہ لینے کی کوشش کی اور اب جب کہ اس کے پٹھو اور پالتو یہودیوں نے مسلمانوں کے قبلہ اول کی بے حرمتی کر کے اسے مذبحِ آتش کرتے ہوئے ستر کر ڈیا مسلمانانِ عالم کے دلوں کو شدید مجروح کیا۔ عین اسی وقت انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ امریکہ نے یہودیوں کو ایک سو پچاس جنگی ہوائی جہاز دے کر مسلمانوں کے زخموں پر نمک پاشی کی۔ اس طرح اس دشمنِ خدا نے ایک طرف تو عربوں کو مرعوب کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف یہودیوں کو ان کی اس مذموم حرکت پر انعام دیا۔ اس وقت مسلمانانِ عالم کی غیرت کا تقاضا ہے کہ وہ امریکہ اور

یہودیوں کی تمام سرپرست حکومتوں سے اپنے سفارتی، تجارتی اور سیاسی تعلقات منقطع کر لیں۔ اس سلسلے میں۔ میں نے مودودی صاحب کو جن کی پارٹی میرے خلاف سوشلسٹ ہونے کا جھوٹا پروپیگنڈا کرتی رہتی ہے۔ چیلنج کیا ہے کہ وہ آئیں اور میرے ساتھ مل کر تقریریں کریں۔ اگر میں سوشلزم کے خلاف تقریر نہ کروں تو مجھے سوشلسٹ سمجھا جائے۔ اور اگر وہ امریکی سامراج کے ساتھ سفارتی، سیاسی اور تجارتی تعلقات منقطع کرنے کے لیے نہ کہیں تو انہیں امریکی ایجنٹ تصور کر لیا جائے۔“

”کیا آپ کا یہ چیلنج مودودی نے قبول نہیں کیا؟“

مولانا ہزاروی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

حکمران یہ بازو میرے آزماتے ہوتے ہیں۔ وہ غالباً کبھی بھی یہ چیلنج قبول نہ کریں گے۔ اس لیے کہ وہ امریکہ کے خلاف اس قسم کا بیان دے کر اپنے آپ کو تمام سامراجیوں اور سامراج دوست مل مالکوں اور جاگیرداروں کی سرپرستی سے محروم نہیں کرنا چاہتے۔ اگر مودودی صاحب میرا چیلنج قبول کر لیں تو نہ مجھے کوئی سوشلسٹ کہ سکے گا اور نہ ہی کوئی انہیں امریکی چمپ کہ کر پکڑے گا۔ اس کے علاوہ انہیں اپنی تمام سنگین مذہبی غلطیوں، فاسد عقائد، صحابہ دشمنی پر مبنی تحریکات اور انبیاء علیہم السلام کی تنقیصِ شان پر بھی سچے دل سے توبہ کرنی ہوگی۔ اس کے بعد ممکن ہے کہ مشترک سیاسی مقاصد کے لیے کوئی راستہ کھل سکے۔

اسلام کے بدترین دشمن امریکی سامراج کو زیر کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ جنگ کے دونوں محاذوں پر کام کیا جائے۔

ایک محاذ امریکی پروپیگنڈا ہے جو شدت کے ساتھ عرب ممالک اور ان علماء کے خلاف جاری ہے جو امریکہ کو واقعی اسلام کا دشمن سمجھتے ہیں۔

دوسرا محاذ مسلح جنگ ہے۔

○ پہلے محاذ پر تو جمعیت علماء اسلام بڑی بے جگری کے ساتھ مقابلہ کر رہی ہے اور اپنی بے بضاعتی

کے باوجود اس نے ساطع انجیلی جیسے امریکی ایجنٹوں اور فن کار مودودیوں کے پروپیگنڈے کو خاک میں ملا دیا ہے اور اب مسلمان یہ سمجھ چکے ہیں کہ عرب ممالک کے خلاف مہم دراصل عرب یہود جنگ سے لوگوں کو غافل کرنے، مودودی عقائد کو چھپانے اور محنت کشوں کے حقوق کو غصب کرنے کے لیے شروع کی گئی ہے۔

○ دوسرے محاذ پر کامیابی کے ساتھ لڑنے کے لیے سب سے پہلے متعلقہ عرب حکومتوں کا اتحاد ضروری ہے۔ اس کے بعد دوزد راز کی عرب مملکتوں، مسلم ملکوں اور تمام مظلوم دوست اور امن پسند ممالک کی ہمدردیاں اور تعاون حاصل ہونا بھی ضروری ہے۔ عربوں کے اتحاد کے خلاف ایک جماعت نے جان بوجھ کر یہ پروپیگنڈا شروع کر رکھا ہے کہ قومیت کے نام پر کیا جانے والا یہ اتحاد غیر اسلامی ہے۔ حالانکہ یہ اتحاد ایک قدرتی اور طبعی امر ہے اور یہی وجہ ہے کہ عراق، مصر، شام اور اردن کے سربراہ صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے مشورے کر رہے ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت سے قرب قیامت کا وقت نہیں آگیا تو انشاء اللہ تعالیٰ مسلمان یہودی سازشوں اور ان کے توسیع پسندانہ عزائم کو خاک میں ملا دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

صرف سوشلزم کی مخالفت کیوں؟

بعض سیاسی حلقوں کا خیال ہے کہ پچھلے کچھ عرصہ سے مولانا مودودی، مولانا احشام الحق تھانوی اور اس قسم کے دوسرے عناصر نے مذہبی تبلیغ کے بجائے اپنی تمام تر قوت سوشلزم کی مخالفت میں صرف کر رکھی ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے فرمایا :

مودودی صاحب کے بارے میں عام مسلمانوں کا خیال یہ ہے کہ وہ سوشلزم سوشلزم کا شور مچا کر اپنے فاسد خیالات و عقائد کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں اور عرب دشمنی

کا جو مظاہرہ وہ پہلے کر چکے ہیں۔ اسی کے تحت اس شور و غل اور ہنگامہ آرائی سے مسلمانوں کو
 عرب یہود جنگ سے غافل کر دینا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے ارجنٹائن کے امریکی ایجنٹ
 ساطع الجبیلی کو در آمد کیا گیا۔ جس نے بڑی بے حیاتی کے ساتھ عرب حکومتوں کو کافر کہہ کر ان کے
 ساتھ یہاں کے مسلمانوں کی ہمدردیاں قطع کرنا چاہیں۔ یہ سب کچھ امریکی سامراجیوں کے اشارے
 پر ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ چند خاندانوں کی حیرہ دستیوں کی وجہ سے ملک میں اس وقت جو
 عوامی بیداری پیدا ہو چکی ہے اور مزدور، کاشتکار، چھوٹے صنعت کار، عام تاجر، وکلاء، علماء
 اور طلباء نے اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے جو جدوجہد شروع کر رکھی ہے۔ مودودی صاحب
 اسے سوشلزم کا نام دے کر ناکام بنا دینا چاہتے ہیں۔ مودودی صاحب کے بارے میں میرا
 نقطہ نظر یہ ہے کہ نہ وہ پہلے کبھی اسلامی نظام چاہتے تھے اور نہ اب چاہتے ہیں جس کا ثبوت
 یہ ہے کہ ۱۹۵۱ء میں اسلامی نظام کے مطالبے کے لیے اکتیس علماء کراچی میں اکٹھے ہوئے اور
 بقول مولانا محمد علی صاحب جالندھری، مودودی صاحب نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا
 کہ وہ اس حکومت سے اسلامی نظام کا مطالبہ نہیں کرنا چاہتے اور وہ کانفرنس سے اٹھ کر جانے
 لگے۔ اس ڈر سے کہ حکومت کا یہ اعتراض درست ثابت نہ ہو جائے کہ علماء کے اندر اتفاق
 نہیں ہے۔ انہیں بڑی مشکل سے سمجھا بھگا کر بٹھایا اور وعدہ کیا کہ حکومت سے اس قسم کا مطالبہ
 نہیں کیا جائے گا۔ اور اس کے بجائے اسلامی حکومت کا صرف خاکہ مرتب کیا جائے گا۔ یہ بھی
 ابتدا۔ اور انتہا یہ ہوئی کہ سیاسی لیڈروں کی گول میز کانفرنس میں جب شیخ الحدیث حضرت مولانا
 مفتی محمود صاحب مدظلہ نے بائیس نکات کے مطابق اسلامی نظام کا مطالبہ کیا تو اس کی
 خود ساختہ مجتہد نے منہ میں گھسگھیاں ڈال لیں اور بعد میں کہا کہ چونکہ ایوب خاں کا مؤذرا
 تھا اس لیے اس قسم کا مطالبہ پیش کرنا مناسب نہ تھا۔ پھر انہوں نے ایسی خرافات لکھیں کہ
 عام مسلمانوں اور علماء میں سر پھٹول ہوئی کوئی بھی مسلمان جو اپنے سینے میں اسلامی نظام کا
 زور رکھتا ہو، بلا ضرورت ایسے مسائل سپرد قلم نہیں کر سکتا۔ جن کا فائدہ تو کچھ نہ ہو اور نقصان

اتنا عظیم ہو کہ امت کا اتحاد پارہ پارہ ہو جائے۔

جہاں تک مولانا احتشام الحق تھانوی کا تعلق ہے۔ یہ بات آپ انہی سے پوچھیں کہ وہ آج کل امریکی سامراج کی مخالفت کے بجائے سوشلزم کی مخالفت پر زیادہ زور کیوں دے رہے ہیں اور اس وقت ہم پر سرمایہ داری مسلط ہے یا سوشلزم؟ اور یہ کہ اس وقت مسجد اقصیٰ کو جلانے والے یہود اور ان کے سرپرست امریکہ کے خلاف مہم چلانا زیادہ ضروری ہے یا سوشلزم کے خلاف۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ سوشلزم کی مخالفت نہ کریں۔ لیکن خدا کے لیے وہ مظلوم عربوں کی حمایت میں امریکی سامراج کے خلاف صف آرا ہو کر اپنی نمایاں شان خدمات سرانجام دیں۔

مودودی سے بنیادی اختلاف

آپ کو مولانا مودودی سے بنیادی اختلافات کیا ہیں؟
مودودی صاحب سے ہمارے اختلافات کچھ سیاسی ہیں اور کچھ مذہبی۔ مذہبی اختلافات کی چند مثالیں یہ ہیں:

(۱) دو جڑواں بہنوں کا نکاح ایک مرد کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں جو کہ قطعاً حرام ہے
(۲) وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نبوت سے پہلے کے ذرائع علم اور عام لوگوں کے ذرائع علم میں کچھ فرق قرار نہیں دیتے۔

(۳) انہوں نے انبیاء علیہ السلام کی توحید کو کسی قرار دیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ وہ غور کرتے کرتے توحید تک پہنچے ہیں۔ حالانکہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء بچپن ہی سے موحد اور مومن ہوتے ہیں۔

(۴) انہوں نے نماز، زکوٰۃ اور حج نہ کرنے والوں کو اسلام سے خارج بتایا ہے جو کہ خارجیوں کا عقیدہ ہے۔

(۵) انہوں نے صحابہ کرام کے خلاف جھوٹی روایات کی آرٹے کر خرافات لکھی ہیں۔ بعض صحابہ کو جھوٹا قرار دیا ہے۔ بعض کو رشوت دینے والے اور بعض کو کتاب و سنت کا صریح مخالف۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ میرے بعد ان کو نشانہ نہ بنانا۔ ان سے محبت کرنا مجھ سے محبت کرنے کی وجہ سے ہے اور ان سے بغض رکھنا مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ہے۔

(۶) انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے فریضہ تبلیغ و رسالت میں کوتاہیاں کیں۔ مودودی صاحب نے رسائل و مسائل حصہ اول میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک جگہ لکھا ہے کہ نبوت سے پہلے ان سے ایک گناہ کبیرہ سرزد ہوا تھا۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام گناہ سے قطعی پاک ہوتے ہیں۔ یہ انبیاءؑ کی شان میں بے ادبی اور گستاخی ہے۔

(۷) انہوں نے سجدہ تلاوت کو بے وضو پڑھنا جائز قرار دیا ہے۔

(۸) انہوں نے خلع لی ہوئی عورت کی عدت ایک حیض بتائی ہے۔ جب کہ چاروں امام تین حیض بتاتے ہیں۔

(۹) انہوں نے ذمی علم لوگوں کے لیے تقلید کو گناہ سے بھی شدید تر چیز قرار دیا ہے۔ جس کا مطلب ہے کفر۔ حالانکہ خواجہ اجمیریؒ، پیران پیر، امام ربانیؒ، مجدد الف ثانیؒ، مقلد تھے اور یہ بزرگ ذمی علم ہو کر مقلد ہوتے تھے۔

(۱۰) انہوں نے صحابہ کرام پر کچھ اچھالا اور امام ابن تیمیہؒ، شاہ عبدالغنیؒ، محدث دہلویؒ اور ابن حجر مکیؒ کی تصانیف کو اس قابل قرار نہیں دیا کہ ان سے کوئی دلیل پکڑی جاسکے اور ان کو صحابہؓ کا وکیل قرار دیا ہے۔ اب جن روایات کو اتنے بڑے لوگ غلط قرار دیتے ہیں یہ انہیں صحیح قرار دے کر صحابہ کرام کو گالیاں دیتے ہیں

- (۱۱) انہوں نے تصوف کو ”چنیا بیگم“ یعنی افیون قرار دیا ہے۔
- (۱۲) انہوں نے ایک موقع پر جمہوریت کو لعنت قرار دیا تھا اور اب جمہوریت کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں۔
- (۱۳) ان مذہبی اختلافات کے علاوہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے طریق کار سے امریکہ اور یہودیوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ امریکی سامراجیوں، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے لیے یہ جماعت ایک مفید مطلب ادارہ ہے۔

مودودی فرقہ

میں نے کہا قبلہ قطع کلامی معاف اس جماعت سے کیا آپ کی مراد جماعت اسلامی ہے؟ مولانا نے کسی قدر جذبہ باقی انداز میں کہا :

جماعت اسلامی نہیں ہم اسے مودودی فرقہ کہتے ہیں۔ عام مسلمانوں اور علماء کو ان سے شدید اختلافات ہیں۔ مودودی فرقہ مزاریت سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ وہ ننگے کافر ہیں اور یہ دجل و فریب کے ذریعہ مسلمانوں کے ایمانوں پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں۔

خانہ جنگی

”بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مولانا مودودی اور دوسرے چند عناصر نے ملک میں تشدد نصرت اور تفریق کی ایک مہم چلا رکھی ہے اگر اسے نہ روکا گیا تو ملک میں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ اس بارے میں آپ کا خیال کیا ہے؟“

مودودی صاحب کی مہم تو اس سوال کے عین مطابق معلوم ہوتی ہے اور پچھلے ہنگاموں میں ان کی پارٹی نے اس کا ثبوت بھی فراہم کیا ہے۔ خدا گنجے کو ناخن نہ دے اگر ان کا بس چلے تو یہ علماء حق کا تختہ ختم کر ڈالیں۔ مسجدوں سے علماء کو بے دخل کر دیں اور کرسی اقتدار

پر بلا شرکت غیرے قبضہ کر لیں۔ مگر اب راز فاش ہو جانے کے بعد امریکی امداد کے بل بوتے پر بھی یہ اپنے منحوس ارادوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ امریکہ بے چارہ تو دیت نام میں بُری طرح پٹ چکا ہے اب انہیں کیسے پروان چڑھائے گا۔ مودودی صاحب کے اشتعال انگیز بیانات جن میں اپنے مخالفین کی گدی سے زبانیں کھینچ لینے تک کے الفاظ پاتے جاتے ہیں کا پہلا اثر ڈھاکہ میں ایک طالب علم کی جان ضائع ہونے کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ہم نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ اس واقعے کی مکمل تحقیقات کر کے عوام کو آگاہ کرے کہ اس ضمن میں پہل کس نے کی ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کے غیر ذمہ دارانہ بیانات سے متعلقہ پارٹیوں میں اشتعال بڑھتا ہے اور وہ اس قسم کے مزید واقعات کا موجب بن سکتے ہیں مودودی پارٹی نے عبدالمالک کے واقعے کو اچھال کر سارے ملک کے امن کے خلاف ایک طرح کی مہم شروع کر دی۔ لیکن اب چونکہ عوام انہیں اچھی طرح پہچان چکے ہیں اس لیے ان کی یہ مہم بھی گزشتہ تمام مہمات کی طرح ناکام ثابت ہوئی۔ اس قسم کے چیلنجوں، اشتعال انگیزیوں اور غنڈہ گردیوں کا فوری سدباب نہ کیا گیا تو ملک میں خانہ جنگی کا شدید خطرہ پیدا ہو جائے گا۔

موزوں طرز حکومت

اب میں نے حضرت مولانا کی رائے ایک اہم اور بنیادی مسئلے کے بارے میں دریافت

کرنا چاہی۔ میں نے عرض کیا :

”آپ کے خیال میں پاکستان کے لیے کون سا طرز حکومت موزوں ہوگا؟“
موجودہ نظام ہائے حکومت میں وحدانی، وفاقی، صدارتی، پارلیمانی، جمہوری اور شخصی وغیرہ کی بحث جاری ہے۔ اسلام نے ان طرزوں میں سے کسی پر کوئی خاص قدغن نہیں لگائی ہے اور نہ ہی کسی خاص پر زور دیا ہے۔ البتہ اس نے دو باتیں لازم قرار دی ہیں۔ اول یہ کہ اسلامی حکومت اللہ کی نائب ہوتی ہے اور وہ اللہ کے احکام سے انحراف نہیں

کر سکتی۔ دوم یہ کہ اسلامی حکومت میں مشورہ لازمی قرار دیا گیا ہے اس لیے ہم اسلامی حکومت کو شورائی حکومت کہتے ہیں۔

ون یونٹ

اگر ون یونٹ توڑ دیا جائے تو صوبوں کی تشکیل کس بنیاد پر ہوگی اور کراچی کی حیثیت کیا ہوگی؟

”ون یونٹ بننے سے پہلے صوبوں کی جو حیثیت تھی اُسے بحال کر دیا جائے اور کراچی کو یا تو سندھ کے ساتھ ملا دیا جائے یا ایک الگ صوبہ بنا دیا جائے۔ اس کا دار و مدار انتظام کی سہولت پر ہے۔ لیکن اسے قطعی فرقہ وارانہ یا طبقاتی مسئلہ نہ بنایا جائے۔ کراچی کو کسی حالت میں بھی کشتری صوبہ نہ بنایا جائے۔ یہ اقدام غیر جمہوری اور غیر آئینی ہوگا۔“

لسانی مسئلہ

پاکستان کے لسانی مسئلے کا حل آپ کے پاس کیا ہے؟
پاکستان کے لیے اگر بائیس سال تک انگریزی زبان لازمی قرار دی جاسکتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہاں عربی زبان کو لازمی زبان قرار نہ دیا جاسکے۔ اردو اور شجکہ کو قومی زبانیں قرار دینے میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس کے علاوہ علاقائی زبانوں کی اہمیت کو بھی تسلیم کر لینا چاہیے۔ بچوں کی ابتدائی تعلیم ان کو اپنی زبان میں نہ دینا ان کے دماغوں پر ایک غیر ضروری بوجھ ڈالنا ہے

تعلیمی پالیسی

تعلیمی پالیسی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

”اس میں بہت سی باتیں اچھی ہیں۔ میٹرک تک کی دنیوی اور دنیاوی تعلیم کے بعد جیسے بعض لڑکے انجینئرنگ، میڈیکل اور زراعتی کالجوں میں داخلے لیتے ہیں۔ اسی طرح وکیل اور جج وغیرہ بننے کے خواہش مند طالب علموں کو فوقانی عربی مدارس میں داخلہ لینا چاہیے۔ ان فوقانی عربی مدارس کو اسلامی کالج کا درجہ دیا جائے اور ان میں کسی قسم کی مداخلت کیے بغیر انہیں تسلیم کر کے وہاں کے فارغ التحصیل حضرات کو دوسرے کالجوں کی طرح گریڈ دیے جائیں،“

لیبر پالیسی

”مجوزہ لیبر پالیسی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ یہ میرا آخری سوال تھا۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مزدوروں کو ان کے تمام پیدائشی حقوق ملنے چاہئیں۔ اگر ان کے تمام جائز حقوق تسلیم کر لیے جائیں تو مسائل پیدا نہیں ہو سکتے۔ اس پالیسی کو آخری شکل دیتے وقت مزدوروں کی رائے کو زیادہ اہمیت دینی چاہیے۔“

”اور کوئی سوال ہے؟“ مولانا نے میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

بہت بہت شکریہ مولانا! آپ نے شدید ترین مصروفیات کے باوجود اپنا قیمتی وقت میرے لیے وقف کیا جس کے لیے میں آپ کا تہ دل سے ممنون ہوں۔

گویا کہ انٹرویو ختم ہو چکا تھا۔ لیکن حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کے یہ الفاظ کہ ”اسلام فرد کے مفاد کے بجائے جماعتی مفاد کو مقدم قرار دیتا ہے“ دیر تک میرے کانوں میں گونجتے رہے۔



انسٹرویو

(یہ انسٹرویو پہلے تو کراچی سے شائع ہونے والے ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ کی زینت بنا۔ اس کے بعد جمعیتہ علماء اسلام کے آرگن ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور نے ۷ نومبر ۱۹۶۹ء کی اشاعت میں شامل کر کے اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کیا۔ یاد رہے کہ ان دنوں شیعہ کے انتخابات کی گماگمائی تھی۔ جگہ جگہ چلے ہو رہے تھے۔ جلوس نکالے جا رہے تھے۔ ملک کی تمام پارٹیوں اور جماعتوں کے زعماء و علماء ایک گیر و دور میں مصروف تھے۔ اگر آپ ان حالات کو مد نظر رکھ کر مطالعہ کریں گے تو حقائق سے بھی پردہ اٹھتا چلا جائے گا اور آپ صحیح راستے بھی با آسانی قائم کر سکیں گے۔)

مردِ درویش

لاہور کی گنجان اور شور بھری سرکلر روڈ پر مسجد شاہ محمد غوث کے سامنے ایک پرانی سی عمارت کی پہلی منزل پر ایک کمرہ تھا اس پر ”ترجمان اسلام“ کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ کمرے میں چٹائی بچھی تھی۔ اس پر ایک سمت ایک کاتب مصروف کتابت تھا۔ ایک طرف دواؤں کی شیشیاں تھیں۔ ٹیلی فون، ترجمان اسلام کی فائلیں اور درمیان میں ملل کے کرتے اٹھے کی شلوار اور ملل کی پگڑی میں بلبوس، آلتی پالتی مارے مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی اپنے عقیدت مندوں کو مسائل حاضرہ کے بارے میں کچھ بتاتے دکھائی دیتے تھے۔ یہی ان دنوں ان کا گھر بھی تھا اور دفتر بھی۔ بعد میں وہ صوبائی اسمبلی کے رکن بھی منتخب ہو گئے۔ مگر یہ کمرہ انھوں نے نہیں چھوڑا۔ اب کراچی بھی ان سے ملاقات کچھ ایسے ہی ماحول میں ہوئی۔ فرق اتنا

ساتھ کہ چٹائی پر چاندنی بھی ہوتی تھی اور یہ نیوٹاؤن کراچی کے مدرسے کا ایک حجرہ تھا۔ عینک کے دبیر شیشوں میں سے آنکھیں ایسے جھانک رہی تھیں جیسے کسی تاریخی کتاب کے الفاظ دکھتا ہوا رنگ نگر عمر کی دھوپ سے کچھ گندمی مائل، پیشانی پر ٹمکن، چہرے پر گزرے دنوں کے نقوش، بچے میں طویل مسافت کی گونج، آواز میں بڑھاپے کے باوجود جوانی۔ میں اپنے دس سوالات لے کر مولانا کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تھا۔ میں سوال کرتا تھا وہ نہایت اطمینان اور اعتماد سے جواب لکھواتے جا رہے تھے۔ کہیں سلسلہ کلام کٹ نہیں رہا تھا۔

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی آج سے ۷۴ برس پہلے ہزارہ میں پیدا ہوتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ سیاسی زندگی کا آغاز ۱۹۲۲ء سے ہوا شروع شروع میں انہوں نے مذہبی اصلاحی خدمت جاری رکھی۔ کہنے لگے اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرماتے تو بڑی بات ہے۔ ۱۹۲۲ء سے انہوں نے صوبہ سرحد میں انگریز کے خلاف کام شروع کر دیا تھا۔ وہ اس وقت خدائی خدمت گار تحریک سے وابستہ تھے ۱۹۳۲ء سے قید و بند کے دور کا آغاز بھی ہو گیا۔ قریباً ایک برس جیل میں گزارا ۱۹۳۴ء میں شریعت کانفرنس پشاور کا اہتمام کرنے والوں میں وہ پیش پیش تھے اور اسی سال صوبہ سرحد میں جماعت احرار بھی قائم ہو گئی تو مولانا اس میں شامل ہو گئے۔ اس سلسلہ میں ہونے والی ۱۹۳۴ء میں آل انڈیا کانفرنس سیالکوٹ، کی صدارت انہوں نے کی۔ اس کے بعد ایچی ٹیشنوں میں بھی حصہ لیا۔ انہوں نے نہایت فخر سے کہا: اللہ تعالیٰ نے مزارائیت کے عظیم فتنے کے مقابلے میں صوبہ سرحد میں خدمت کی توفیق عطا کی۔ ۱۹۳۸ء میں وہ کانگریس سے بالکل علیحدہ ہو گئے۔ دوسری جنگ عظیم شروع ہونے کے ساتھ ہی انگریز کی فوج میں بھرتی ہونے کے خلاف سول نافرمانی کرتے ہوئے جیل چلے گئے۔ اس تمام عرصے میں وہ جمیۃ العلماء ہند کے ممبر رہے۔

انہوں نے بتایا کہ پھر پاکستان بننے کے بعد حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی منشاء کے مطابق ہم ہر دو مکتب فکر کے لوگ جمع ہوتے اور جمعیتہ علماء اسلام کے نام سے کام شروع کر دیا۔ جس میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا احتشام الحق تھانوی وغیرہ سب حضرات شریک ہوتے تھے۔ ۱۹۵۶ء میں جمعیتہ علماء اسلام کا دور جدید شروع ہوا جس کی امانت حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری نے قبول فرمائی۔ ۱۹۵۸ء میں ملک بھر میں جمعیتہ علماء اسلام کی تقریباً دو ہزار شاخیں بن گئیں۔ پھر ایوب خانی مارشل لا شروع ہوا۔ سیاسی جماعتوں پر پابندی عائد کر دی گئی۔ ہم نے نظام العلماء کے نام سے کام شروع کر دیا۔ عائلی قوانین کے خلاف ملک بھر میں آواز اٹھائی۔ بے حیائی اور بے دینی کے خلاف سینہ سپر ہوئے۔ ہماری داخلہ، خارجہ نقل و حرکت اور زبان پر لگاتار پابندیاں لگتی رہیں لیکن ہم نے تمام مشکلات کے باوجود کام جاری رکھا۔ ۱۹۶۲ء میں مغربی پاکستان اسمبلی کا رکن بنا اور خدا کی مہربانی سے صوبائی اسمبلی میں عائلی قوانین کے خلاف عظیم اکثریت سے تجویز پاس کرائی تو عوام کے سامنے یہ بات آئی کہ مسلمان پبلک علماء کے ساتھ ہے۔ لندن کے اخبارات نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا۔ ۱۹۶۴ء اور ۱۹۶۵ء میں موثر عالم اسلام میں شرکت کے لیے قاہرہ گیا اور وہاں دیکھا کہ حکومت مصر نے کمیونزم اور مرزائیت کو خلاف قانون قرار دیا ہے اور دستور میں اعلان موجود ہے کہ مملکت کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔ ۱۹۶۵ء میں بھارت نے حملہ کیا تو جمعیتہ علماء اسلام نے سارے ملک کے اندر لاکھوں روپے جمع کر کے دفاعی فنڈ میں جمع کیے۔ ۱۹۶۶ء میں جب یہودیوں نے امریکہ کے ایماں پر عربوں پر حملہ کیا۔ موزوری پارٹی اور ظفر احمد انصاری نے عربوں اور خاص کر صدر ناصر کے خلاف اتھائی خطرناک پروپیگنڈا شروع کیا تو جمعیتہ نے اس کو روک دیا۔ پروپیگنڈا کا منہ توڑ جواب دیا اور اب جب کہ یہودی مسجد اقصیٰ کو شہید کرنے والے تھے اور جنگ

نئے بادل عربوں کے سر پر منڈلا رہے تھے۔ پاکستان میں عراق کی گورنمنٹ کے خلاف خطرناک جھوٹا پروپیگنڈا ہوا اور اس مقصد کے لیے ایک امریکی ایجنٹ سلیح ایبیلی نے بھی ملک کا دورہ کیا۔ مگر الحمد للہ جمعیت علماء اسلام نے پروپیگنڈے کے ان توپ خانوں کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا۔ اب جب کہ یہودیوں نے مسلمانوں کے دلوں کو شدید مجروح کیا اور امریکہ نے ان پر نمک پاشی کی تو جمعیت علماء اسلام نے ڈیرہ ڈویژن کے قبائلی علاقے سے پچاس ہزار قبائلی مسلح مجاہدین بھیجنے کا اعلان کیا مغربی پاکستان کے دوسرے علاقوں سے بھی ہزاروں رضاکار بھرتی کر کے روانہ کرنے کا اعلان کیا اور جمعیت نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ امریکہ سے تعلقات منقطع کرنے اور پاکستان میں یہودیوں کی املاک ضبط کر کے مسلمانوں کے زخم پر مرہم رکھے اور عالم اسلام کی رہنمائی کرنے کا فریضہ سراسنجام دے۔

ہاں تو کرسیوں پر بیٹھنے کی عادت چٹائی پر بیٹھنے میں بار بار خارج ہو رہی تھی۔ بار بار پہلو بدل رہا تھا۔ علماء کرام کی تصاویر کے سلسلے میں ریاض کو بڑی دقت ہوتی ہے اور اسے بالکل اس طرح بیٹھنا پڑتا ہے جیسے شیر کے شکار کے لیے شکاری مچان میں بیٹھتے ہیں۔ وہ میرے پیچھے بیٹھ گیا تھا۔ تاکہ وہاں سے ٹھیک ٹھیک نشانے لگا سکے۔

محمود شام



اسلامی نظام کا نفاذ

میں نے پہلا سوال کیا کہ پاکستان کا مسئلہ نمبر کیا ہے ؟
 کہنے لگے پاکستان کے اندر اسلامی نظام اور اسلامی اقدار کا نفاذ۔ اگر یہاں اسلامی اقدار
 نافذ ہو گئیں اور اسلامی آئین مرتب ہو گیا اور پھر اس پر مخلصانہ طور سے عمل درآمد بھی کیا گیا
 تو پاکستان دنیا کی قوی ترین حکومتوں میں شمار ہو جائے گا۔ کشمیر وغیرہ سارے مسائل کا حل
 آسان ہو گا۔ بلکہ پاکستان فلسطین اور عربوں کے دوسرے مسائل کو بھی حل کر واسکے گا۔ اس کا
 محل وقوع ایسا ہے کہ یہ دنیا کی بڑی بڑی حکومتوں پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ اس وقت پاکستان
 خود کو کمزور سمجھ کر کمزور آدمی کی بیوی کی طرح ہر ایک کو ”بھائی بھائی“ کہہ رہا ہے اگر یہ اپنے
 پاؤں پر کھڑے ہو کر اور صرف پاکستان اور اسلامی مفاد کے لیے خارجہ، داخلہ پالیسیاں مرتب
 کرے تو یہ تمام عالم اسلام کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ اس وقت روس اور امریکہ فطرتاً اور دوسرے
 چین کی مخالفت کے سبب بھارت کو مضبوط دیکھنا چاہتے ہیں اور یہ وہ بات ہے جو کسی
 طرح ہمارے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ اس لیے چین سے نظریاتی اختلاف کے باوجود ہمیں
 اس کو سیاسی حلیف بنانا پڑے گا۔ جیسے کہ حکومت مصر نے کمیونزم اور مرزائیت کو خلاف
 قانون قرار دیتے ہوئے اشتراکی ممالک سے معاہدات کر رکھے ہیں جن سے اسلحہ وغیرہ خرید
 کر وہ دو سال کے اندر اندر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو چکے ہیں۔

نفاذ کے طریقے

میں نے قطع کلام کیا ”اسلامی نظام کیسے لایا جائے ؟“
 ”اسلامی نظام لانے کے دو طریقے ہیں“ ہزاروی صاحب کہنے لگے۔
 پہلا تو یہ کہ عوام کے اندر اتنی جدوجہد کی جائے کہ یہاں کے بارہ کروڑ مسلمانوں کا

ذہن خالصتاً اسلامی ہو جاتے۔ اس صورت میں ان کی نمایندہ اسمبلی اور نمایندہ حکومت خود بخود اسلامی ہی بن جاتے گی۔ اس کو پہلے پہل مودودی صاحب نے اختیار کر کے اس پر زور دیا تھا اور قوی بنیاد پر مسلمانوں کی علیحدہ حکومت کی کوشش کو تفسیع اوقات قرار دیا تھا اور جمہوریت کو ایک غیر اسلامی اور لعنتی حکومت قرار دیا تھا۔ جس پر وہ قائم نہ رہ سکے اور آخر کار جمہوریت جمہوریت کے نعرے بلند کرنے لگے۔ لیکن یہ طریقہ بہت کوشش اور خاصے لمبے عرصے کا طلب گار ہے۔

دوسرا طریقہ اسلامی نظام لانے کا یہ ہے کہ جو حکومت قوم کی نمایندگی کا دعویٰ کرے اور اسلام کو اونچا دیکھنا چاہے وہ خالص اسلامی آئینی نظام کے نفاذ کا اعلان کر دے۔ آج جب کہ حکومت کے ہر رگیو لیشن اور آرڈینی منس پر عوام ”آمناء و صدقنا“ کہہ دیتے ہیں۔ شرعی قوانین کے نفاذ پر بھی کوئی شخص مخالفانہ راتے کا اظہار نہ کر سکے گا۔ یہ سب سے قریبی راستہ ہے اس لیے اہل احساس ملک میں اچھے لوگوں کی حکومت قائم کرنے کے لیے جدوجہد کیا کرتے ہیں۔ اسلام میں امام کی اصلاح کی ذمہ داری مقتدیوں پر ڈالی گئی ہے۔ اسی طرح رعایا کی دینی اور دنیوی صلاح و فلاح کی ذمہ داری ارباب اقتدار پر ہے اور ارباب اقتدار اگر شریعت سے بغاوت کریں تو ان کو درست کرنے کی ذمہ داری رعایا پر ہے۔“

بہتر نظام حکومت

”پاکستان کے لیے کونسا نظام حکومت بہتر ہے؟“ میں دوسرا سوال دریافت کر رہا تھا۔ مولانا فرمانے لگے :

”اسلام نے وحدانی، وفاقی، پارلیمانی، صدارتی وغیرہ نظام ہائے حکومت میں سے کسی پر خاص طور سے قدغن نہیں لگائی۔ اسلام کا مطالبہ ایک ہی ہے کہ جو حکومت بھی قائم ہو وہ اپنے آپ کو نائب الساطنت اور خدائی احکام کے نفاذ کے لیے خلیفہ تصور کرے۔ اس صورت

میں جو بھی حکومت ہوگی وہ خدا کی رحمت ثابت ہوگی اور اس سے ہٹ کر جو حکومت بھی ہوگی وہ قوم کے لیے ایک ابتلا ثابت ہوگی۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ آج کل مودودی پارٹی کے بعض لوگ ۳۱ علماء کے ۱۲ نکات سے اعراض کرتے ہوئے دبی آواز میں کہتے ہیں کہ اسلام میں جمہوریت نہیں ہے، ان کا موقف بالکل غلط ہے۔

یک جہتی کا موثر اقدام

”میرا تیسرا سوال تھا: ”مشرقی و مغربی پاکستان میں یک جہتی اور دونوں بازوؤں کو ایک دوسرے کے قریب تر لانے کے لیے سب سے موثر اقدام کیا ہو سکتا ہے؟“

”کہنے لگے: ”مشرقی اور مغربی پاکستان میں نہ زبان ایک ہے نہ تہذیب ایک، نہ تمدن ایک نہ شکل و شبہت ایک ہے۔ ان کو اگر کوئی چیز آپس میں متحد رکھ سکتی ہے تو وہ اسلام اور صرف اسلام ہے۔“

میرے اس سوال کے جواب میں انہوں نے مزید کہا: ”دنیا کی بعض قومیں جو اسلام پر اعتقاد رکھتی ہیں بسا اوقات وہ بھی ایک ہو جاتی ہیں۔ لیکن اس کا تعلق باہمی اعتقاد سے ہے۔ ہماری گذشتہ حکومتوں نے مشرقی پاکستان کی عددی اکثریت کو غیر موثر کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا اس نے مشرقی پاکستان کے لیڈروں کو مغربی پاکستان کی بے انصافی اور حاکمانہ خواہش کے خلاف پروپیگنڈا کا خوب موقع دیا اور اب بات خود مختاری کے الفاظ تک پہنچ گئی۔ اگر حکومت اس سلسلے میں موثر اقدامات کرنا چاہتی ہے تو وہ اس کا انتظام کرے کہ مشرقی پاکستان کے عربی کے ہزاروں طلباء اور دیگر نوجوانوں کو مغربی پاکستان میں تعلیم دی جائے۔ اور مغربی پاکستان والوں کو مشرقی پاکستان میں، اور دونوں جگہ ان مسافر طلباء کی پوری پوری عزت افزائی کی جائے۔ پھر دونوں حصوں میں علماء کی کانفرنسیں منعقد کی جائیں اگر حکومت ایسے اقدامات کرنا چاہے گی جیسے ایک بار چیف ایڈمنسٹریٹو اوقات نے یہ خیال ظاہر بھی کیا

تھا۔ تو وفاق المدارس عربیہ مغربی پاکستان اور جمعیتہ علماء اسلام اس سلسلے میں پورا پورا تعاون کر سکتی ہے۔“

خارجہ پالیسی

خارجہ پالیسی کی بات چلی تو ان کا کہنا تھا :

”خارجہ پالیسی کے بارے میں میرا وہی جواب ہے کہ اس کی بنیاد محض پاکستان اور اسلامی مفاد پر ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اسلامی ممالک سے بھی اسلامی برادرانہ تعلقات پر زیادہ زور دیا جائے اور اس وقت اگر پاکستان ہمت کر کے عربوں کو فوجی امداد دینے میں پہل کرے اور ملک کے اندر تمام یہودی املاک و اموال ضبط کر کے عربوں کی امداد کرے تو پاکستان دنیائے اسلام میں اپنے شایان شان مقام حاصل کر سکتا ہے اور اگر وہ ایک قدم اور آگے بڑھا کر امریکہ اور ان مغربی ممالک سے سفارتی اور تجارتی تعلقات منقطع کرنے کا اعلان کر دے جو یہودیوں کو موجودہ ڈھٹائی اور مسلم آزاد پالیسی کے باوجود فوجی امداد دے رہے ہیں تو اس پالیسی سے پاکستان عالم اسلام کا مرکز بن جائے گا اور دوسری طرف اس کی خارجہ پالیسی قطعی طور سے یک طرفہ ہو کر بہترین حلیوں کے پیش آنے کا سبب بن جائے گی۔“

اس وقت جتنی ضرورت عالم اسلام کو اتفاق و اتحاد باہمی کی درپیش ہے۔ اس سے پہلے کبھی نہیں تھی۔ مشکل یہ ہے کہ مغربی سامراجیوں نے بہت سے مسلم ممالک میں اپنی ریشہ دانیوں سے اثر و نفوذ پیدا کر کے مسلم ممالک کو ایک دوسرے سے دور کر رکھا ہے۔ جیسے کہ ترکی امریکہ کے ساتھ معاہدوں میں جکڑا ہوا ہے۔ لیکن بعض عرب ممالک کے اسلحہ وغیرہ کے سلسلے میں مشرقی یورپ سے بھی تعلقات ہیں۔ اسی طرح پاکستان اپنی مقامی پوزیشن کی خاطر چین سے اچھے تعلقات کے لیے مجبور ہے۔ تو بعض امریکہ دوست مسلم ممالک کے دل میں یہ بات کشاکش رہی ہے۔ اگر ان غلط خارجی اثرات سے علیحدہ ہو کر مسلم حکومتیں محض اسلام کی سر بلندی کے

ہیلے آپس میں فوجی اور تجارتی معاہدات کر کے ان پر عمل شروع کر دیں تو بہ اتنی بابرکت چیز ہوگی کہ نہ صرف ان کا دشمن زیر ہوگا، بلکہ دنیا کی عظیم سلطنتیں مسلمانوں سے اچھے روابط قائم کرنے پر فخر کریں گی۔

اقتصادی پریشانی کا حل

میں نے عرض کیا عوام کی اقتصادی پریشانی کا فوری اور واقعی حل چند خانہ خانوں میں سمٹی ہوئی دولت پورے ملک کے عوام کی خوش حالی کا ذریعہ کیسے بن سکتی ہے؟

ان کا جواب تھا: ”عوام کی مشکلات، اشیائے صرف اور ضروریات زندگی کے فقدان یا کمیابی کی وجہ سے ہوتی ہیں، لیکن اگر ہم ملک کی ایسی پیداوار کو باہر بھیجنا بند کر دیں تو ہمارا ملک خوراک کے مسئلے میں قطعی خود کفیل ہو سکتا ہے۔ یہی حال کپڑے کا ہے جو کہ پاکستان میں بنتا ہے وہ باہر کے ملکوں میں دوبارہ آنے لگتا ہے، مگر پاکستان میں اس کی قیمت دو روپے گز ہے، پاکستان میں یہاں کی ضروریات کے مطابق فولاد کے کارخانوں کا نہ ہونا اور ریلوے انجن، ریلوے کے ڈبے اور فیکٹریوں کی مشینری بیرونی ممالک سے درآمد کرنے سے ملک کا بڑا بھاری نقصان ہوتا ہے کارخانوں کی زیادتی سے مقامی لوگ بڑی تعداد میں روزگار سے محروم ہو جاتے ہیں۔ بڑھئی، لوہار، موچی اور پارچہ باف وغیرہ تمام صنایع مشینوں کی وجہ سے بے کار ہو جاتے ہیں جتنی کہ سڑکوں پر موٹر سے چھڑکاؤ کرنے سے سقے بیروزگار ہو جاتے ہیں۔ اگر حکومت چھوٹی صنعتوں اور گھریلو کاروبار کی ہمت افزائی کرے، یا کارخانوں میں ان تمام لوگوں کو ان کے شایان شان اجرت دے کر کام پر لگائے تو بڑی حد تک دشواریاں ختم ہو سکتی ہیں۔ ملک کی اقتصادی کمزوری کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ حکومت نے لاکھوں ایکڑ زمینیں ان لوگوں کو دے رکھی ہیں جو خود کاشت کاری نہیں کرتے اور اس طرح زمینوں سے کما حقہ فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔ سابق سے سابق اسمبلی میں حکومت نے بل پیش کر کے ایک یہ آرڈیننس پاس کر دیا تھا کہ سندھ کے بہت سے بیراجوں کا پانی

استعمال کرنے والے پرانے زمینداروں پر ٹیکس لگایا جاتے اور جن کو مرے لے ہیں اور نئی نہروں سے وہ اپنی اراضی کو سیراب کرتے ہیں ان لوگوں کو اس ٹیکس سے مستثنیٰ کیا جاتے۔ اس پر غضب یہ تھا کہ پرانے لوگوں پر ٹیکس لگانے کے خلاف کوئی اپیل نہیں کی جاسکتی تھی اور اگر پانی کسی سال میسر نہ ہو تو بھی ان کو ٹیکس دینا لازمی سمجھا جاتا تھا۔ اس کے خلاف میں نے بڑی سخت تقریر کی تھی۔ مگر تقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔

اس وقت مغربی پاکستان کی مشرقی سرحدوں پر جو زمینیں سابق فوجیوں کو دی گئی ہیں اگر یہ لوگ وہاں خود سکونت اختیار کرتے تو یہ سرحدی نقطہ نظر سے بہت مفید ہوتا، لیکن ان میں سے اکثر زمینوں کو مزارعین کے حوالے کر کے خود دوسرے علاقوں میں چلے گئے۔ میری رائے میں اگر حکومت یہ جرات مندانہ اقدام کرے کہ اس قسم کی ساری اراضی شرعی طور پر میواتی قوم کے حوالے کر دے، جو سرحدی مقامات میں رہتے ہیں اور جہاد کے جوش سے سرشار ہیں تو یہ اقتصادی اور فوجی دونوں لحاظ سے نہایت مفید ہوگا۔

میرا قلم چل رہا تھا اور ہزاروی صاحب نہایت تسلسل سے بولے جا رہے تھے "ہماری اقتصادی مشکلات کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے ہاں غیر ضروری اشیاء کی تجارت پر پابندی یا غیر معمولی ٹیکس عائد کر دیے جاتے ہیں تو یہ بھی دو گونہ فائدے کا حامل ہوگا۔ جن لوگوں نے ساری قوم کے حقوق غصب کر کے دولت سمیٹی ہے۔ ان میں زیادہ تر وہ لوگ ہیں جن کو حکومت نے بیرونی ممالک سے ادھار مشینیں خرید خرید کر دی ہوئی ہیں اور ان قرضوں کی ذمہ داری تمام قوم اور حکومت پاکستان پر ہے۔ جب کہ یہ قرضے پاکستان کو دیے گئے تھے نہ کہ مخصوص افراد کو۔ اس لیے ایسے تمام کارخانے قومی قرار دیے جاسکتے ہیں۔ اگر حکومت درآمد شدہ مشینوں کو پرانے مل مالکوں کے سوا دوسرے لوگوں میں تقسیم کرتی تو آج درمیانے درجے کے ہزاروں صنعت کار موجود ہوتے جو ملک کے لیے از حد مفید ثابت ہو سکتے تھے۔ چند خاندانوں کو حکومت گارنٹی دیتی ہے اور وہ ہمیشہ ہر غلط حکومت کے ہاتھ مضبوط کرتے ہیں۔ آج کل اسی قسم کے

لوگ مزدوروں اور کسانوں کے حقوق کے لیے آواز بلند کرنے والوں کے خلاف سوشلسٹ کا الزام گھڑ کر اور بہت سے لاپچی مولویوں کا ضمیر خرید کر پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح سود سے چلنے والے ہر کاروبار کو حکومت قبضہ میں لے کر اصلاح حال کرتی ہوئی عوام کے لیے مفید بنا سکتی ہے۔ آج کل ایک وجہ تکلیف کی یہ بھی ہے کہ مختلف کارخانہ داروں اور ان کے بچے سرمایہ داروں کی حمایت کرتے ہوئے مقامی حکام مزدوروں کے خلاف گارروائیاں کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح یہ بڑے لوگ مزدوروں کے حقوق کو دبا کر اور ان کا خون چوس کر اپنی بلڈنگیں بناتے رہتے ہیں۔ کنڈیاں ضلع میانوالی میں ہڑتال کرنے والے مزدور لیڈروں کا جیل میں رہنا اور بعض دوسری جگہوں میں مزدوروں کے حقوق پر ڈاکے ڈالنا اور ان کو آنے والے متوقع حالات سے مرعوب ہو کر ابھی سے دھمکیاں دینا اور پریشان کرنا ایسی باتیں ہیں جن کی تلافی مارشل لا حکومت کو فوراً کرنی چاہیے۔

زرعی ترقی

ہزاروی صاحب نے توقف کیا تو میں سمجھ گیا کہ اب وہ اگلا سوال چاہتے ہیں۔ میں نے ڈائری سے نظر اٹھائی اور سوالنامے میں سے چھٹا سوال پڑھا: "بنیادی طور پر زرعی ملک پاکستان میں زراعت کو ملکی خوش حالی کا سرچشمہ بنانے اور ترقی یافتہ زرعی ملکوں کے برابر جانے کے لیے کیا قدم اٹھایا جانا چاہیے؟"

انھوں نے پہلو بدلا اور گادیکے سے ٹیک لگائی اور پھر نہایت تھمل سے کہنے لگے "اس سلسلے میں علماء دین کے متفقہ فیصلے یا ایک دینی بورڈ کی رپورٹ پر کاشت کاروں کو شرعی حدود کے اندر اندر حقوق دیے جائیں جس سے وہ اطمینان کے ساتھ ساتھ زمینیں پیداوار کو بڑھاتے چلے جائیں۔ دوسری بات یوں ہے کہ بے جا جاگیرداریاں اور انگریزی خدات کے عوض جو مربہ ہبات دیے گئے ہیں واپس لے کر غریب لوگوں میں تقسیم کر دیے جائیں جو زیادہ سے

زیادہ کاشت کر سکیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ سامانِ زراعت جدید ترین بنایا جاتے اور زراعت میں ہر طرح کی آسانیاں بہم پہنچائی جائیں۔ سیم و تھور کے انسداد کا خاص انتظام کیا جائے۔ ملک میں بہترین بیج درآمد کیے جائیں، کھاد کے ویسی کارخانے وسیع پیمانے پر لگائے جائیں اور غیر ضروری رقبوں کو جلد از جلد حاجت مندوں میں تقسیم کر کے ان کو بھی زیر کاشت لایا جائے۔ آئے دن کے سیلابوں سے جو عظیم نقصان ہوتا رہتا ہے ایک عظیم منصوبے کے تحت ان کا انسداد بھی کیا جائے۔

معکوس ترقی

”ساتواں سوال ہمارا یہ تھا: صرف بڑے بڑے شہروں میں صنعتی تنصیبات نے کیا چھوٹے شہروں، قصبوں اور دیہات کو اقتصادی پسماندگی کا شکار نہیں کر دیا اور معکوس ترقی کو جنم نہیں دیا؟“

کہنے لگے: اس کا جواب میرے پہلے بیان میں بڑی حد تک آچکا ہے۔ تاہم اتنی بات کا اضافہ ضروری ہے کہ درمیانے درجے کی صنعتیں ضرورت کے مطابق مختلف علاقوں میں قائم کرنی چاہئیں۔ میں جب ایم پی اے تھا اس وقت میں نے تحریک کی تھی کہ علاقہ کاغان صناع ہزارہ میں لکڑی کے کارخانے قائم کیے جائیں جن سے کروڑوں روپے کی آمدنی بھی ہو سکتی ہے اور لاکھوں مقامی افراد کو روزگار بھی مل سکتا ہے۔ لیکن عموماً حکومت کے خاص طبقے صرف اپنے اپنے مفادات کا خیال رکھتے ہیں۔“

بیوروکریسی

میں کہہ رہا تھا اس مسئلے کا کیا حل ہے کہ ہمارے ملک میں بیوروکریسی کی گرفت انتہائی

مضبوط ہوتی جا رہی ہے

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے فرمایا :

موجودہ حکومت نے بیسیوں سی ایس پی افسروں کے خلاف موثر کارروائیاں کر کے اصلاح کے لیے ایک اچھا قدم اٹھایا ہے۔ اگر انٹی کرپشن محکمہ خود کرپشن کا شکار نہ ہو تو وہ ان افسروں کی اصلاح کے لیے بڑا موثر ثابت ہو سکتا ہے، اب میں نے ایم پی اے ہونے کی حیثیت سے یہ تجویز پیش کی تھی کہ وہ اپنے ضلع میں دورہ کر کے ایسے افسران کے خلاف شکایات سننے کے لیے عام منادی کیا کریں۔ بیان دینے والوں کے خلاف قانونی کارروائی نہ ہو۔ اگر یہ ممبران کسی معاملے کا فیصلہ کرا سکیں، یا کسی کی شکایت خود طے کر سکیں تو فیہا، ورنہ مسئلے کے زیادہ سنگین ہونے کی صورت میں وزیر متعلقہ کو رپورٹ کریں۔ یہ بھی اصلاح کا ایک اچھا طریقہ تھا۔ ایک تجویز یہ بھی پیش ہوئی تھی کہ جن مظلوموں اور حاجت مندوں کی رپورٹیں تھانوں میں درج نہ کی جاتی ہوں ان کو ایس پی کے دفتر میں ایک صندوق کے اندر اپنی رپورٹیں اور شکایات داخل کرنے کی اجازت دی جائے۔ مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ ! ایک بڑی خرابی یہ پیدا ہو گئی ہے کہ بعض افسر براہ راست بھرتی کر لیے جاتے ہیں جب کہ نیچے سے بڑھتے بڑھتے ایک آدمی اپنی قابلیت کے لحاظ سے اونچے منصب کا حق رکھتا ہے۔ ایسے پرانے آدمیوں کو نظر انداز کر کے براہ راست تقریقینا غلط ہے۔

تعلیمی مسائل

اب تعلیم کا مسئلہ زیر بحث آیا۔ انہوں نے کہا ”تعلیم کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور اس کے عام کرنے کے لیے حکومت خود سوچ رہی ہے۔ ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر تعلیم کے ساتھ ساتھ اخلاقی تربیت نہیں ہے تو تعلیم سے کما حقہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔“

”اب ملک کی تعلیم میں بڑا نقص یہ تھا کہ ایک تعلیم تو صرف حاکم پیدا کرتی تھی اور دوسری

تعلیم محکوم۔ اس سلسلے میں حکومت نے اگرچہ پبلک اسکولوں اور بعض دوسرے اسکولوں کا امتیاز ختم کرنے کا اعلان کر دیا ہے، لیکن اس بات کی ضمانت اب بھی نہیں ہے کہ ہر تعلیم یافتہ کے لیے روزگار مہیا کیا جائے۔ حکومت نے ہر فن کے لیے علیحدہ کالج رکھے ہیں۔ اس فن میں مہارت کے بعد اس کو روزگار دینا بھی حکومت کا فرض ہے۔ اس سلسلے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ میٹرک تک تعلیم میں دینی اور دنیوی تمام ضروری معلومات آجانی چاہئیں۔ اس کے بعد اگر کوئی انجینیئرنگ کالج میں جانا چاہے تو اسے وہاں بھیج دیا جائے، زراعتی کالج کی طرف جس کا رجحان ہو اسے وہاں بھیجا دیا جائے اور جو نوجوان وکیل مجسٹریٹ یا جج بننا چاہتے ہوں انہیں کسی دینی کالج میں داخل کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں ملک کے آٹھ دس فوقانی عربی مدارس کو بلا کسی اندرونی مداخلت کے اسلامی کالج تسلیم کر لیا جائے۔ ان کے فارغ التحصیل حضرات کو مذکورہ عہدے اسی گریڈ کے مطابق دیے جائیں جو گریڈ دوسرے فنون والوں کے لیے مخصوص ہیں۔ ملک میں اسلامی آئین، اسلامی قانون اور اسلامی فیصلوں کی صورت میں اس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ہے ورنہ اس کے یہ معنی ہوں گے کہ دوسرے کالج اور درسگاہیں تو حاکم پیداکریں اور قرآن و حدیث کے علوم محکوم پیداکریں۔“

طلبا اور نوجوانوں کا اضطراب

ہمارے آخری سوال ”طلبا اور نوجوانوں میں پھیلے اضطراب کا کیا حل ہے؟“ کے جواب میں مولانا کا پہلا جملہ تو یہ تھا کہ ”طلبا کو غیر ملکی ایجنٹوں کے اشارے پر ”اسلامی جمعیتہ الطالبہ“ یا دوسرے ناموں سے کوئی جماعت قائم کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔“ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا ”گذشتہ ہنگاموں نے بھی یہ ثابت کر دیا اور ۱۹۶۴ء میں مغربی پاکستان گورنمنٹ کے ایک پریس نوٹ میں بھی یہ بات اچکی ہے کہ :

اسلامی جمعیتہ الطالبہ کا تعلق مودودی جماعت سے ہے اور مودودی جماعت

کے بارے میں عوام میں جو شکوک و شبہات ہیں وہ اب کسی سے مخفی نہیں ہیں۔ ایک صاف بات جو حقائق پر پڑا ہوا پروہ ہٹا سکتی ہے، یہ ہے کہ پروہ ادارہ یا پروہ جماعت یا پروہ عالم جو امریکی سامراج کو اسلام دشمنی کی وجہ سے برا سمجھتا ہے اس کے خلاف مودودی پارٹی جھوٹا پروپگنڈہ شروع کر دیتی ہے۔ خاص کر اس کی نگاہ کرم جمعیتہ علماء اسلام، اس کے کارکنوں اور اس کے اداروں پر ہے۔ چنانچہ میرے خلاف مودودی جماعت، ضمیر فروش افراد اور موٹے دایان گروپ نے ایڑھی چوٹی کا زور اس پروپگنڈے پر لگایا کہ میں سوشلسٹ ہوں، میں بیسیوں بار اس کی تردید کر چکا ہوں۔ لیکن اپنی مخصوص اغراض کی خاطر یہ رٹ لگاتے جا رہے ہیں۔ مگر قدرت نے اب فیصلے کا وقت بہم پہنچا دیا ہے۔ میں مودودی صاحب کو چیلنج کرتا ہوں کہ اس وقت امریکہ نے یوڈ کو ہوائی جہازوں کے مشترکہ مسلمانوں کی غیرت کو چیلنج کیا ہے۔ وہ آپہیں اور میرے ساتھ ایک شیج پر تقریر کریں۔ میں سوشلزم اور کمیونزم کے خلاف تقریر کروں گا اور وہ امریکہ سے سفارتی اور تجارتی تعلقات منقطع کرنے کے لیے نہ صرف حکومت پاکستان بلکہ تمام مسلم ممالک سے مطالبہ کریں۔ اس طریق کار سے نہ کوئی مجھے سوشلسٹ کہ سکے گا اور نہ مودودی جماعت کو امریکہ کا ایجنٹ۔ اور مسلمانوں کی وقتی ضرورت بھی پوری ہو جائے گی۔ امریکہ کے علاوہ ہمارے ملک کے بڑے بڑے مل مالکان اور اونچے سرمایہ دار بعض مولویوں کو موٹروں میں لیے لیے پھر رہے ہیں اور جمعیتہ علماء اسلام کے خلاف محض اس لیے سوشلزم کا پروپگنڈہ کر رہے ہیں کہ وہ غریب مزدوروں کے جائز شرعی حقوق کی حامی ہے۔ اگر یہ لوگ صحیح معنوں میں کمیونزم کے مخالف ہوتے تو انہیں جمعیتہ علماء اسلام کو مبارک باد دینی چاہیے تھی جس نے پاکستان لیبر پارٹی کو یہ یقین دلایا ہے کہ کمیونسٹوں کا یہ پروپگنڈہ صحیح نہیں ہے کہ اسلام میں مزدوروں اور کسانوں کے مسائل کا حل موجود نہیں۔ اسلام کامل دین اور مکمل مذہب ہے اس میں ہر غریب کے لیے روٹی کپڑے، تعلیم، علاج اور مکان کے لیے انتظام کی ضمانت موجود ہے اور ہر طبقے کے مسائل کا حل بھی مکمل طور پر بتایا گیا ہے۔ چنانچہ لیبر پارٹی اور جمعیتہ علماء اسلام نے پاکستان اور اسلام کی حفاظت کے لیے مشترکہ جدوجہد کا عہد

کر لیا ہے۔ اس سے امریکہ کے ثالثوں، سامراج طاقتوں کے آگے کار لوگوں اور مل مالکان کو پسو پڑ گئے ہیں۔ ایک اہم نکتہ اس سلسلے میں سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جن لوگوں نے جمیعتہ علماء اسلام کے بارے میں یہ غلط پروپیگنڈہ کیا ہے کہ وہ سوشلزم کی حامی ہے۔ انہوں نے دراصل کروڑوں مسلمانوں کے ذہن میں یہ تصور بٹھانے کی کوشش کی ہے کہ بعض علماء سوشلزم کو جائز قرار دے رہے ہیں۔ یہ کتاب ناظم ہے۔ ان لوگوں نے اس طرح اسلام کی بجائے سوشلزم کی خدمت کی ہے۔ اس طرح ان نام نہاد اینٹی سوشلزم لوگوں نے علماء کا نام لے کر سوشلزم اور کمیونزم کے لیے میدان صاف کرنے میں مدد دی ہے۔

آخر میں طلباء کی جماعتوں کے سلسلے میں انہوں نے مزید کہا کہ جو طالب علم اور ان کی انجمنیں غیر ملکی تعلقات سے برمی ہیں ان کی دینی اور ملکی خدمات پر کوئی قدغن نہ لگائی جائے۔ بلکہ ان کے تمام مطالبات منظور کر کے ان کی عزت افزائی کی جائے، کیونکہ مستقبل میں ہی قوم کے معمار بننے والے ہیں۔

اب تو واقعی اس حالت میں بیٹھنا مشکل تھا۔ بات چیت ختم ہو گئی تھی اور کمرے سے باہر عقیدت مندوں کا ہجوم مولانا سے ملنا چاہتا تھا۔ میں نے ان کے درمیان مزید حائل رہنا مناسب نہ سمجھا۔ اس لیے مولانا سے مصافحہ کر کے اجازت طلب کی۔ جب میں دلیز پر اپنی جوتیوں کی طرف بڑھا آ رہا تھا تو ریاض نے چپکے سے بتایا کہ اس نے خاصی تصویریں بنالی ہیں۔ کام چل جاتے گا۔



انسٹرویو

(یہ وہ انسٹرویو ہے جو لاہور سے شائع ہونے والے
۲۵ جولائی ۱۹۹۷ء کے ہفت روزہ "قبیل" میں چھپا تھا)

تعارف

پاکستان کے عوام کی بدقسمتی یہ ہے کہ وہ گزشتہ کئی برس سے تجرباتی دور میں سے گزر رہے ہیں۔ اس مختصر عرصے میں انہوں نے سیاسی اور معاشی تبدیلیوں کے کئی دور دیکھے ہیں، لیکن ابھی تک کوئی دور ایسا نہیں آیا جسے امید افزا کہا جاسکے اب پھر نئی جمہوری حکومت کا نعرہ بلند ہو رہا ہے۔ آزادانہ انتخاب کی آمد آمد ہے ووٹروں کی فرستیں تیار ہو چکی ہیں، انتخابی حلقے تقسیم ہو چکے ہیں اور قوم آنے والے اکتوبر کے مہینہ کی اس گھڑی کی منتظر ہے جب ملک میں جمہوری حکومت کا قیام عمل میں آئے گا۔ یہ مشرور جانفزا بھی آج کل سنا جا رہا ہے کہ نئی قیادت ہمارے معاشرہ کے متوسط طبقے سے اُبھرے گی۔ دوسری طرف اس خدشہ کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ ون یونٹ کی تفریق کے بعد حکومت پھر مٹھی بھر سرایہ داروں، صنعت کاروں، اور وڈیروں کی آغوش میں نہ چلی جائے۔ یہ کش مکش جاری ہے اور اس کا فیصلہ پاکستان کے بارہ کروڑ عوام ہی کریں گے۔

وطن عزیز کو آزادی کی گراں مایہ متاع سے ہمکنار ہونے تینس برس ہو رہے ہیں۔ یہ بالکل بجا ہے آزادی کے وقت ہمارے سامنے ایک ٹھوس اور واضح نصب العین تھا۔ جس منزل کی طرف ہمیں بڑھنا تھا وہ معین تھی۔ نظریہ پاکستان کا مقصد یہ تھا کہ اس سرزمین پر ایک ایسی حکومت اور معاشرہ قائم ہو جو اسلامی اصولوں کے عین مطابق ہو۔ کیونکہ یہی نظام لوگوں کی سیاسی اور اقتصادی ترقی اور معاشی بہبود کا ضامن ہو سکتا ہے لیکن آزادی کے بعد قوم پر کشن گھڑی اب آتی ہے۔ جب کہ نظریاتی کشاکش اس حد تک بڑھتی جا رہی ہے کہ تحفظ آزادی کا تصور بھی دھندلا رہا ہے۔ سیاست دان ایک دوسرے کے خلاف تعصب اور تنگ نظری کا اظہار کرتے ہوئے الزام تراشی اور دشنام طرازی میں اخلاقی اقدار اور سیاسی تقاضوں کو بھی فراموش کرتے جا رہے ہیں۔ افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ "اسلام پسند اور سوشلسٹ" کی اصطلاحوں نے "اسلام اور کفر" کی بحث کو ہوا دی ہے۔ ہر فوق ایک دوسرے کو شریک، غدار اور وطن دشمن قرار دینے میں پیش پیش ہے۔ سیاسی فضا اس قدر مکدر ہو رہی ہے کہ نئی نسل کے لیے محب وطن کی پہچان مشکل ہو گئی ہے۔ گذشتہ کئی برس سے ہمارے سیاسی رہنماؤں نے عوام کے دلوں کی دھڑکنوں کو نہیں سنا، اگر ایسا ہوتا تو حالات اس قدر رو بہ انحطاط نہ ہوتے۔ عوام کے دلوں کے اندر ایک اضطراب ہے کہ وہ مستقبل میں وجود میں آنے والی عوامی جمہوریہ کے لیے بہتر اور سچے محب وطن پاکستانی لیڈروں کا انتخاب کر سکیں۔ اس نقطہ نظر سے ہم سیاسی رہنماؤں سے ملاقاتیں کر رہے ہیں اور ان سے ان کے ماضی کی روشنی میں ملک کی موجودہ سیاسی صورت حال اور ان کے اپنے عزائم اور وطن کو درپیش خطرات سے متعلق خیالات پوچھ رہے ہیں۔ اس بار ہماری ملاقات گل پاکستان جمعیتہ علم اسلام کے سربراہ جناب مولانا غلام غوث ہزاروی سے ہوئی۔

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کی ذات محتاج تعارف نہیں۔ آپ اس
 جمعیت کے سربراہ ہیں جو تاریخی حقائق کی روشنی میں علماءِ حق کے اس سلسلہ کی کڑی ہے
 جس کا آغاز حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی سے ہوا اور جس نے حضرت
 شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و نظریات سے نشوونما پائی۔ بعد ازاں
 اس جہادی تنظیم کی سرپرستی شاہ عبدالعزیزؒ، سید احمد شہیدؒ اور مولانا شاہ اسماعیل
 شہیدؒ ایسے اکابر نے فرمائی اور اس تنظیم کے بزرگوں کی علمی تبلیغی، اصلاحی، تربیتی
 تحریکی اور اخلاقی طاقت اور قربانیوں کی بدولت ملک و ملت کو برطانوی استعمار
 کے جابرانہ تسلط سے نجات ملی اور خطہ پاک سرزمین پر مسلمانوں کی آزاد مملکت کی بنیاد
 پڑ گئی۔ آج یہی جمعیت علماء اسلام سیاسی میدان میں سرگرم عمل ہے اور کوشاں ہے کہ
 دس سالہ ایوبی آمریت کے بعد اقتدار خدایوں کے ہاتھ میں دینے کے بجائے ان لوگوں کو
 سونپا جائے جو سچے مسلمان اور شیعہ رسالت کے پر دانے ہیں۔ محترم مولانا غلام غوث
 صاحب ہزاروی نے جمعیت کی یہ مختصر تاریخ بیان کی تو ذہن میں کئی سوال ابھر آتے۔

ایم۔ اے۔ ناز



موجودہ سیاسی صورت حال

ایک سوال کے جواب میں مولانا غلام غوث ہزاروی نے ملک کی موجودہ صورت حال پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں ہونے والے انتخابات فیصلہ کن ہوں گے ہمیں آزادی حاصل کیے بائیس برس سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔ لیکن ابھی تک کوئی ایسی حکومت یہاں قائم نہیں ہو سکی جس سے عوام مطمئن ہوں۔ اس عرصہ میں حکومت نے جس قدر پیٹے کھائے اور جب نئی حکومت قائم ہوئی تو اس کے لیے دعوتے یہی کیا گیا کہ وہ فلاحی ہوگی۔ لیکن انجام کار وہ فلاحی مسکلت ثابت نہ ہو سکی اور عوام مطمئن نہ ہوئے۔ اس ناکامی کی اغلباً وجہ یہی ہے کہ جو بھی حکومت آئی وہ امریکہ یا برطانیہ کی وظیفہ خوار تھی۔ ان کے کارپردازان عوام سے ملنے، ان کے مسائل معلوم کرنے، انھیں اخلاقی، سماجی، معاشرتی بہبود کے وسائل مہیا کرنے اور اسلامی قدروں کو اجاگر کرنے کی بجائے غیر ملکی ایجنٹوں کے اشاروں پر چلتے رہے اور عوام وسیع تر محرومیوں کے سمندر میں بہتے چلے گئے۔ اب برسوں کے بعد پاکستانیوں کے دلوں میں امید کی یہ کرن جلوہ گر ہوتی ہے کہ جمہوریت اور خوش حالی کی منزل پانے کا پہلا سنہری موقع ہاتھ لگ رہا ہے، لہذا وہ کسی قدر مطمئن ہیں اور مستقبل کی طرف امید لگاتے بیٹھے ہیں۔ چونکہ پاکستان کے قیام کا مقصد برصغیر کے مسلمان عوام کو برطانوی دور کے غیر اسلامی اور ظالمانہ نظام کے قوانین سے نجات دلا کر اسلامی نظریات، اسلامی اخوت اور اسلامی مساوات پر مبنی نظام حکومت قائم کرنا اور اسلامی معاشرہ کی تشکیل تھا۔ اس لیے اب ہر فرد کی یہی کوشش ہونی چاہیے کہ وہ اس مقصد کو پورا کرے تاکہ آزادی کے تقاضے خوش اسلوبی سے پورے ہو سکیں۔

”آپ کے خیال میں ملک کو زیادہ تر کن لوگوں سے خطرہ ہے؟ یہ ایک ضمنی سوال تھا مولانا ہزاروی گویا ہوتے کہ میرے خیال میں ملک کو سب سے زیادہ خطرہ سامراجی ایجنٹوں سے ہے جو غیر ملکی سرمایہ کے بل بوتے پر ملک میں انتشار پھیلا رہے ہیں اور انتخابات کی راہ میں

روڑے اٹکا کر مارشل لا کو مستقل طور پر عوام پر مسلط رکھنا چاہتے ہیں
 کیا آپ کا اشارہ کسی خاص جماعت کی طرف ہے؟

اس سوال پر مولانا غلام غوث ہزاروی نے کہا کہ میری مراد ہر ایسی جماعت سے عموماً اور
 جماعت اسلامی سے خصوصاً ہے۔ جو امریکہ سے امداد لیتی ہے۔ میں امریکہ کو پاکستان کا دشمن
 نہیں ایک سمجھتا ہوں کیونکہ ہمارے ملک میں افتراق و انتشار پھیل کر ہماری آزادی اور ہمارے
 دین کو ختم کرنے کے درپے ہے۔ لیکن ہم اس گھناؤنی سازش کو کبھی کامیاب نہ ہونے دیں گے۔

جماعت اسلامی - امریکی جماعت

گذشتہ دنوں مشرقی پاکستان کے مولانا راغب حسن صاحب نے یہ الزام لگایا تھا کہ
 جماعت اسلامی نے ۱۹۴۸ء میں امریکی سفیر کے توسل سے ۳۰ ہزار روپیہ لیا تھا جس پر شہید
 ملت خان لیاقت علی خان نے امریکی سفیر کو ڈانٹ ڈپٹ کی تھی۔

جب یہ سوال مولانا غلام غوث ہزاروی کے سامنے رکھا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے
 مولانا راغب حسن کا یہ مضمون نہیں پڑھا۔ مولانا راغب حسن ایسے ذمہ دار شخص ہے اگر یہ بات
 کی ہے تو اس کا ثبوت بھی یقیناً ان کے پاس ہوگا۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں اور وثوق سے
 کہتا ہوں کہ جماعت اسلامی امریکہ کی جماعت ہے، قدرِ توقف کے بعد مولانا غلام غوث
 ہزاروی کہنے لگے کہ ۱۹۵۲ء میں انکوائری کورٹ میں مرزائیوں کے وکیل خواجہ نذیر احمد ایڈووکیٹ
 نے کہا تھا کہ جماعت اسلامی کو بیرونِ ممالک سے امداد ملتی ہے اور یہ سب کچھ اسی امداد کے
 طفیل ہو رہا ہے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب اینٹی قادیانی تحریک چلی تھی۔ خواجہ نذیر احمد
 ایڈووکیٹ نے حوالہ کے طور پر مزید کہا تھا کہ مولانا احمد علی صاحب لاہوری مرحوم نے
 ایک بار تقریر میں بھی فرمایا تھا کہ مودودی صاحب کو امریکہ سے امداد ملتی ہے۔ مزید براں
 مودودی صاحب نے ۱۹۵۵ء میں ازالہ حیثیت عرفی دائر کیا اور کہا کہ حضرت مولانا احمد علی اور

آغا تفسی احمد صاحب میکش نے ان کی شہرت کو داغ دار کرنے کی کوشش کی ہے۔ حضرت مولانا احمد علی اور میکش صاحب نے مودودی صاحب پر امریکی امداد لینے کا مقدمہ دائر کر دیا۔ دفعہ ۵۱ کے تحت استغاثہ ابھی فیصلہ طلب تھا کہ مولانا داؤد غزنوی مرحوم کے مکان پر مودودی صاحب کی طرف سے صلح کی سعی کی گئی، مودودی صاحب مصر تھے کہ حضرت مولانا احمد علی اور میکش صاحب استغاثہ واپس لے لیں۔ میرے خیال میں یہ مودودی صاحب کا اقبال جرم تھا کہ ہم امریکی امداد لیتے ہیں، اگر مودودی صاحب پر امریکی ہونے کا محض الزام تھا تو پھر انہوں نے مقدمہ واپس لینے پر کیوں اصرار کیا اور صلح کی کوششیں کیوں کی گئیں۔

مولانا غلام غوث صاحب نے یہ بھی کہا کہ ۱۹۶۴ء میں مودودی پارٹی کے خلاف ہوم سیکرٹری گورنمنٹ نے پریس نوٹ جاری کیا تھا کہ جماعت اسلامی کو بیرون ممالک سے امداد ملتی ہے اور یہ جماعت ملک دشمن سرگرمیوں میں پیش پیش ہے۔

امریکی امداد کہاں سے ملتی ہے؟

جماعت اسلامی کو امریکہ کی طرف سے زیادہ تر فنڈز کہاں سے ملتے ہیں؟

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ مودودی صاحب کو بھارت اور مغربی جرمنی سے کانفرنسوں میں شرکت کے لیے دعوت نامے ملتے ہیں اس پر سابق وزیر داخلہ قاضی فضل اللہ نے مودودی صاحب کے خلاف ایک بیان بھی دیا تھا جس پر حکومت نے مودودی صاحب کا پاسپورٹ ضبط کر لیا تھا۔ قاضی فضل اللہ نے اپنے بیان میں مزید کہا تھا کہ بعض مغربی ممالک کی طرف سے مودودی صاحب کو کرایوں کی پیش کش بھی ہوتی ہے۔ اس سے زرمبادلہ پر اثر پڑنے کا اندیشہ تھا۔ اس وقت لیبیا امریکہ کے زیر اثر تھا اور مغربی جرمنی بھی، مودودی صاحب نے اخبارات میں قاضی فضل اللہ کے الزام کو چیلنج کرتے ہوئے کہا تھا کہ ثابت کرو کہ مغربی جرمنی اور لیبیا کے علاوہ کسی ملک نے

مجھے کرایہ کی پیش کش کی ہے۔ یہ بھی اقبال جرم ہے۔" جناب غلام غوث ہزاروی کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ مودودی صاحب اقبال جرم کرتے ہیں، لیکن اس انداز میں کہ لوگ انہیں غیر ملکی ایجنٹ نہ سمجھیں

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر کہنے لگے "مجھے یاد ہے کہ ایک بار کاغذ کی بہم رسانی میں خلل پیدا ہو گیا تھا اور سارے پاکستان میں کاغذ کی شدید قلت تھی۔ اس موقع پر صرف جماعت اسلامی امریکہ سے کاغذ کے حصول میں کامیاب رہی۔ امریکہ نے وافر مقدار میں جماعت اسلامی کو کاغذ مہیا کیا۔ یہ کاغذ کن اختیارات کے تحت دیا گیا اور اس کی قیمت کیوں نہ وصول کی گئی۔ اس کا جواب آپ بہتر سوچ سکتے ہیں۔"

ایک اور سوال کے جواب میں کہ امریکہ مودودی صاحب کی کتابیں اور جماعت اسلامی کا لٹریچر تھوک کے بھاؤ سے گراں قیمت پر خریدتا ہے۔ "مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی چند لمحوں کے لیے اٹھے اور روزنامہ "امروز" مارچ ۱۹۷۷ء کا شمارہ لے آئے جس میں میاں طفیل محمد نائب امیر جماعت اسلامی سے پوچھا گیا کہ امریکہ تمہاری کتابیں منگے داموں کثیر تعداد میں خریدتا ہے۔" میاں طفیل محمد صاحب کا جواب ہے کہ اگر امریکہ جماعت اسلامی کی کتابیں خرید کر تقسیم کرتا ہے تو پاکستانیوں کو اس پر فخر کرنا چاہیے اور آپ اس بارے میں کیا کہیں گے؟ استفسار پر مولانا ہزاروی جذباتی ہو گئے اور کہنے لگے کہ :

جس قیمت کے عوض جماعت اسلامی ایمان بیچے اور مودودی صاحب ضمیر فروشوں سے کام لیں ہم اس پر فخر نہیں کرتے بلکہ لعنت بھیجتے ہیں

چور کی داڑھی میں تنکا

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے ایک خبر کی طرف توجہ مبذول کرواتے ہوئے

متذکرہ محاورہ کی دلچسپ صداقت کی تشریح کی: فرمایا کہ صدر یحییٰ خان صاحب نے پچھلے دنوں کہا تھا کہ ”میرے دل میں شبہات ہیں کہ بعض جماعتیں غیر ممالک سے امداد لیتی ہیں“ اس پر مودودی صاحب نے فوراً یہ بیان داغ دیا کہ ”ایسی جماعتوں کے متعلق تحقیقات کی جائیں۔ اور میرے خیال میں مودودی صاحب کا یہ بیان ”چور کی داڑھی میں تنکا“ کے نمون میں آتا ہے۔“

فرہن میں ایک اور سوال اُبھرا: ”مولانا یہ بتائیے کہ جماعت اسلامی کو کن ذرائع سے امریکی امداد ملتی ہے؟“

مولانا غلام غوث صاحب نے فرمایا کہ یہی سوال ہر بار جماعت اسلامی دھراتی ہے ایک مرتبہ سابق وزیر حبیب اللہ خاں نے جب جماعت اسلامی پر الزام لگایا کہ یہ امریکہ سے امداد لیتی ہے تو ان سے کہا گیا کہ عدالت میں ثبوت پیش کیا جائے۔ اس پر حبیب اللہ خاں صاحب نے کہا تھا کہ ”بسا اوقات ایک شخص قتل یا چوری کرتا ہے، لیکن اس کا عدالتی ثبوت نہیں ملتا۔ پھر امریکی امداد۔ تو ایسے غیر سرکاری ذرائع سے ملتی ہے کہ منی آرڈر کی ضرورت ہے نہ رجسٹری کی۔ امریکی سفارت خانے کے ”خاص لوگ“ گلی گلی کو چمے کو چمے ایسے ایمان فروش اور ملت دشمنوں کو تلاش کرتے رہتے ہیں جو ان سے امداد لیں۔“ مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے مزید کہا کہ امریکی سفارت خانہ کے لوگ ٹیکسلا کی ایک فیکٹری میں ۵۰ سے ۹۰ ہزار روپے تک لوگوں میں تقسیم کر رہے ہیں تاکہ پاکستان میں صنعتی بے چینی پیدا کی جائے۔

علاوہ ازیں رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے لاکھوں روپے امداد ملنے کا اقرار خود مودودی صاحب کر رہے ہیں۔ اخبارات میں یہ سب کچھ چھپ رہا ہے۔ مودودی صاحب عالم اسلامی کے پلیٹ فارم سے اپنی ”اسلامی خدمات“ سرانجام دے رہے ہیں، صدر ناصری شدید مخالفت کی جا رہی ہے اور پاکستان میں رہ کر ایسے طریق کار اختیار کیے جا رہے ہیں جن سے صرف یہود اور امریکہ کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کے نزدیک امریکہ سے امداد لینے کا ایک طریقہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں کی بعض ایجنسیاں امریکہ سے براہ راست تعلق رکھتی ہیں اور موڈودی حساب کی بھی عقیدت مند ہیں۔ ان کمپنیوں کے توسط سے بھی جماعت موڈودی کو امداد ملنے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ اس ضمن میں مولانا نے ایک موڈوز کمپنی کا نام بھی لیا اور کچھ تفصیلات بھی بتائیں۔

امریکی یہودی اور موڈودی

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے بتایا کہ اس وقت دنیا میں دو دھڑے ہیں ایک امریکی اور ایک انڈی امریکی۔ ساری دنیا ان دو دھڑوں میں منقسم ہے۔ امریکی عربوں کے خلاف یہودیوں کو مسلسل امداد دے رہا ہے اور پاکستان دشمنی کے ساتھ ساتھ امریکہ کی طرف سے بھارت کو امداد اور اسلحہ کی ترسیل بھی جاری ہے لیکن موڈودی صاحب کی طرف سے جو بیانات دیتے جاتے ہیں وہ ہمیشہ امریکی مفادات کے لیے ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر جماعت اسلامی کے ایک لیڈر نے بیت نامیز، امریکہ کی پالیسی کو سراہا تھا۔ دوسرے ڈاکٹر عبدالرحیم سوکارنو کی وفات پر جماعت اسلامی کی طرف سے تعزیت کا کوئی بیان جاری نہیں ہوا۔ حالانکہ انڈونیشیا میں جب سوکارنو حکومت کا تختہ الٹا گیا تو موڈودی صاحب نے ایک کتاب لکھ ڈالی جس میں انقلاب کی ذمہ داریاں ڈاکٹر سوکارنو کے غیر اسلامی اعمال اور اشتراکیت پسندی پر ڈالی گئی تھیں۔

جناب مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے تاسف کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ موڈودی صاحب اور میاں طفیل محمد ہر روز اخبارات میں یہ بیان دیتے ہیں کہ مصر، شام، عراق، لیبیا، الجزائر اور یمن قصہ کفر بن گھر گئے ہیں۔ یہ کتنے دکھ کی بات ہے کہ یہود عربوں پر گولے برساتے ہیں اور یہودی (معاف کیجیے موڈودی) پارٹی ان اسلامی ممالک پر فتوؤں کے گولے برس رہی ہے۔ اس سلسلہ کی ایک کڑی یہ ہے کہ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ شروع ہوتی تو سب سے پہلے جماعت اسلامی کی طرف سے صدر ناصر کے خلاف ساری دنیا میں پروپیگنڈا کیا گیا۔ یہاں تک

کہ اُردو ڈائجسٹ میں ظفر احمد انصاری صاحب نے جو جنیوا میں امریکہ کے وظیفہ خوار اور ساری دنیا میں امریکہ کے حق میں پروپیگنڈا کرنے پر مامور ہیں۔ لکھا کہ صدر امریکہ کا ایجنٹ ہے۔ یہ سراسر جھوٹ تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ صدر ناصر نے فرعون کے مجسمہ کے نیچے قرآن پاک دفن کرایا ہے۔ تحقیقات پر یہ سب باتیں من گھڑت ثابت ہوئیں۔

اس تفصیل کے بعد مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی پوچھنے لگے کہ اب آپ ہی بتائیے کہ یہ ساری باتیں کس کے حق میں جاتی ہیں۔ کیا یہودیوں کے مفادات میں امریکہ اور جماعت اسلامی کو علیحدہ علیحدہ کیا جاسکتا ہے اور کیا مودودی صاحب اسلام کی یہ خدمت کر رہے ہیں؟

اسلام اور سوشلزم کی جنگ کیوں؟

جمعیت علماء اسلام کے سربراہ سے سوشلزم کے متعلق رائے طلب کی گئی تو وہ جذبات آمیز لہجے میں کہنے لگے کہ میں اس سوال کے جواب میں ایک اہم بات کہنا چاہتا ہوں کہ کل پاکستان جمعیت علماء اسلام کے تمام ارکان سچے سنی مسلمان ہیں اور ہماری جماعت اس ملک میں اسلامی دستور اور اسلامی آئین کے سوا کسی دوسرے ازم کو برداشت نہیں کر سکتی۔ جو شخص بھی اسلام کو ناقص قرار دے کر اس کی جگہ کسی اور نظام کو لانا چاہتا ہے ہم اس کو قطعاً غلط کارکتے ہیں، مگر باوجود اس کے جماعت اسلامی اور اس کے زیر خرید مولوی ہم پر مسلسل یہ الزام لگاتے چلے آ رہے ہیں کہ ہم سوشلزم یا اشتراکیت کے حامی ہیں۔ ہم ان کے اس الزام کی تردید کے لیے لعنت اللہ علی الکاذبین (یعنی جھوٹوں پر خدا کی لعنت) کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتے، ہم پر یہ بتان ہے۔ ہم میں اور مودودی صاحب میں اتنا واضح فرق ہے کہ ہم امریکی سامراج کو اسلام اور پاکستان کا دشمن نہیں سمجھتے ہیں اور اب یہ حقیقت واشگاف ہو جائے گی کہ مودودی ازم اور مودودی صاحب کے دم چلے مولوی اور انیکلو امریکن کے اکساتے ہوتے مہرے اس بلاک سے دلچسپی رکھتے ہیں جو عالم اسلام ہی کا نہیں بلکہ ہرگز ورنہ ملک کا دشمن ہے۔

چین کا دوستانہ سلوک

چین کے بارے میں آپ کا خیال ؟

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی اس سوال کو قطع کرتے ہوئے بولے کہ جس چین نے پاک بھارت جنگ کے وقت ہماری امداد کی اور اپنے اخلاقی دباؤ سے مشرقی پاکستان پر بھارت کے حملہ کو روکا۔ جماعت اسلامی اور مودودی صاحب چین کے خلاف پروپگنڈا کرنے اور ساتھ ہی عربوں کو بدنام کرتے پرا دھار کھاتے بیٹھے ہیں۔ اس غلط پروپگنڈا سے پاک چین تعلقات بگڑنے کا اندیشہ ہے۔

حکمت عملی کا تقاضا

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے کہا کہ پاکستان میں امیر غریب کے حقوق کی جنگ کو کفر کا نام دے کر جماعت اسلامی سوشلزم اور اسلام میں مقابلہ کر رہی ہے حالانکہ جو مصیبت ملک پر مسلط ہے وہ سرمایہ دارانہ نظام حکومت اور سرمایہ دارانہ اقتدار ہے۔ اس لعنت کو اتار پھینکنے کی بجائے سوشلزم کے خطرے کو جو کہ مسلط نہیں ہے اور نہ جس کے مسلط ہونے کا اندیشہ ہے۔ قوم کو بتاتا کر سوشلزم کے لیے راہیں ہموار کی جا رہی ہیں۔ اس نظر ماتی انتشار سے امریکہ یا سرمایہ داروں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے، یا پھر مودودی کی کافرانہ باتوں پر پردہ پڑ سکتا ہے اور وہ صحابہ کو گالیاں لکھ کر، پیغمبروں کی توہین کر کے اور قرآنی احکام میں تبدیلی کی اجازت دے کر بھی مسلمان کے مسلمان کہلاتے ہیں۔ حالانکہ وقت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے ہمیں اسلام کے صحیح دشمن کو پہچاننا چاہیے۔

سوشلزم جمعیت کی نظر میں

آپ اور آپ کی جماعت پر بھی سوشلسٹ ہونے کا ایبل چسپاں کیا جاتا ہے ؟
اس سوال کو سن کر مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی چونکے اور کہنے لگے کہ مہم پر
سوشلسٹ کا ایبل لگانے والے خود غدار ہیں ہم کسی سوشلزم کے قابل نہیں ہیں۔ ہم دین اسلام
کو کامل دین سمجھتے ہیں اور اسلام کو مزدوروں، کسانوں اور امیر و غریب کے تمام مسائل کے حل کا
ضامن تصور کرتے ہیں۔ ہم نے پاکستان لیبر پارٹی اور ملک کے سچاس لاکھ مزدوروں کو یہ باور کرایا
ہے کہ کمیونسٹوں کا یہ پروپیگنڈا قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے کہ اسلام تم کو روٹی نہیں دے سکتا،
یا تمہاری مشکلات کا حل پیش نہیں کر سکتا، یا اسلام کا رخانہ داروں اور سرمایہ داروں کے ناجائز مال
کا محافظ ہے۔ ہم مزدوروں اور محب وطن پاکستانیوں کو یہ یقین دلاتے رہتے ہیں کہ اسلام زندگی
کے تمام دکھوں کا مداوا کرنے والا ہے۔ کسی مسلمان کو حضورِ پیغمبر اسلام کے دامنِ رحمت سے محالو
نہیں ہونا چاہیے۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جس میں ہر بھوکے کے لیے روٹی، ہر تنگ کیلے کپڑا اور
ہر بے گھر کے لیے مکان کی ضمانت موجود ہے۔ اسلام عزت و شرافت کا معیار موٹروں اور
بنگلوں کی بجائے کردار کی بلندی قرار دیتا ہے۔

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے پھر کہا کہ ہم سوشلزم اور کمیونزم کے بارے میں
تحریراً و تقریراً بیزاری ظاہر کرتے رہتے ہیں، لیکن اس کا کیا علاج کہ امریکہ کے وظیفہ خوار ہم پر
یہ الزام لگا کر اپنے چچا سام کو خوش کرتے رہتے ہیں۔ لہذا اب میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر بریڈوں
کے پیسوں میں کھیلنے والا مولوی مجھے سوشلسٹ کہے گا تو میں اس کو میوڈی کہوں گا۔ کیونکہ ایسا
پروپیگنڈا صرف امریکہ اور اس کی ناجائز اولاد یہود کے لیے ہی فائدہ مند ہو سکتا ہے۔ بیشتر اس کے
کہ گفتگو کا سلسلہ آگے بڑھتا، مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے کہا کہ اسلامی سوشلزم یا سوشلزم
کی اصطلاح نہ ہم نے کبھی استعمال کی ہے اور نہ استعمال کرنے کی اجازت دی ہے نہ ہی ہم ایسی

مستعار اور غیر ملکی اصطلاحات کے محتاج ہیں

مادریلت کی مخالفت کیوں کی گئی؟

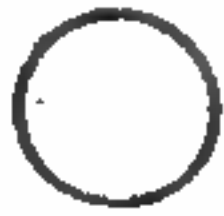
مولانا آپ نے گذشتہ صدارتی انتخابات میں ایوب خان کے مقابلہ میں مادریلت کی مخالفت کیوں کی تھی؟

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ جمعیتہ علماء اسلام کا جماعتی فیصلہ تھا کہ مادریلت عورت ہونے کی بنا پر صدارت کے قابل نہیں اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی جماعتی فیصلہ تھا کہ ایوب خان قرآن کے احکام کی تشکیک کے باعث ووٹ کے قابل نہیں رہا۔ اس لیے جمعیتہ نے اپنا تیسرا امیدوار کھڑا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس سلسلے میں ہماری نگاہ انتخاب مشرقی پاکستان کے کسی امیدوار پر تھی۔ لیکن جب جمعیتہ علماء اسلام اپنے اس فیصلے کی روشنی میں مقررہ وقت کے اندر اپنے کسی امیدوار کے کاغذات نامزدگی داخل نہ کر سکی تو تنظیم نے فیصلہ کیا کہ ووٹ دونوں میں سے کسی امیدوار کو نہیں دیے جائیں گے۔ اب اس فیصلہ کی صداقت پر بھی شک کیا جاتے تو ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔

انتخابات اور افسر شاہی

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی سے سوال کیا گیا کہ کیا انتخابات وقت پر ہوں گے؟ آپ نے فرمایا کہ جہاں تک میرا خیال ہے انتخابات وقت پر ہوں گے اور حکومت بھی یہ یقین دلا رہی ہے۔ لیکن اس غیر جانبدارانہ اعلان کو حکومت کے سول افسروں نے بدنام کر ڈالا ہے۔ ابھی آج ہی مجھے خیروپور کے ڈی سی کا نوٹس ملا ہے کہ دو ماہ کے لیے تمہارا داخلہ میرے ضلع میں ممنوع ہے۔ چند دن پہلے میری اور حضرت مفتی صاحب کی تقریروں پر ساہی وال میں پابندی لگا دی گئی جس کو ہائی کورٹ نے منسوخ کر دیا۔ قصبہ ڈھر کی ضلع سکھڑ میں ہمارے جلسہ کی منادی

کرنے والے کو دہاں کے بد معاش پیر (بستہ ب) کے غنڈوں نے زد و کوب کیا اور پھر رات کو ۱۲ بجے ہمارے جلسے پر حملہ بھی کیا۔ حکومت نے سترہ حملہ آوروں کو گرفتار کیا۔ لیکن ساتھ ہی ڈویژنل مسبلغ مولانا عزیز ایشد صاحب بھی گرفتار کر لیے گئے۔ دوسرے لوگوں کی ضمانتیں ہو گئیں لیکن مولانا بھی تک پابند سلاسل ہیں۔ ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا جا رہا ہے۔ ہمارے ایک عالم دین مولانا لقمان ضلع مظفر گڑھ سے جمعیت کے ٹکٹ پر انتخاب لڑ رہے ہیں۔ انھیں بھی تقریر کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اسی طرح ہماری جماعت کے مولانا عبدالمجید ندیم ڈیرہ غازی خاں والے جیل میں بند ہیں۔ علاوہ ازیں جمعیت علماء اسلام کے بہت سے بزرگ اور علماء دین کو حکومت نے ماتحت افسروں کے اشارہ پر جلیوں میں بند کر رکھا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ان ماتحت افسروں نے حکومت کی غیر جانبداری کی مٹی پلید کر دی ہے اور ہمیں ان واقعات میں سیاسی پارٹیوں اور غیر ملکی ایجنٹوں کا ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ خیروپور کے ڈی سی نے جمعیت کے ۲۹ مئی کے جلوس کو بھی یہ کہہ کر نکلانے کی اجازت نہ دی کہ اس تاریخ کو یوم شوکت اسلام کا جلوس ہے حالانکہ یوم شوکت اسلام کا جلوس ۳۱ مئی کو نکلتا تھا۔ دیکھیے ہماری مخالفت کے شوق میں افسران یہاں تک غلط بیانیوں سے کام لے رہے ہیں۔ میں صدر یحییٰ خاں سے درخواست کرتا ہوں کہ ان کے سوا اور بھی سینکڑوں غلط کار افسران موجود ہیں جو انتخابات میں حکومت کے غیر جانبدارانہ رویہ کی قطعاً خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ اس طرف بھی توجہ دینے کی از بس ضرورت ہے۔



حملہ آور غنڈے کون تھے؟

(مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کی عمر ۷۷ سال یعنی پون صدی کے برابر ہے۔
کھڑکاسادہ لباس پہنتے ہیں۔ آپ پر ۲۲ مئی ۱۹۷۷ء کو قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ جس کی خبریں
اخبارات میں بھی شائع ہوئیں۔ استفسار پر مولانا ہزاروی نے قاتلانہ حملے کا پس منظر و
پیش منظر بیان کرنے کی زحمت فرمائی۔ اس روز بھی ان کے ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور
بازو پر کہیں کہیں نشانات تھے۔)

مولانا نے قاتلانہ حملہ کی تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ راولپنڈی میں جمعہ پڑھا کر جب
میں مانسہرہ جانے کے لیے بسوں کے اڈہ تک پہنچا تو میرے ہمراہ بہت سے دوست تھے۔ ان
میں ٹھیکسلا والے مولانا مسعود الرحمن بھی تھے جو اکثر رپنڈی آکر جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ
کیا آپ بھی اس بس میں میرے ساتھ ٹھیکسلا تک جائیں گے۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں کسی بھیلی بس
سے جاؤں گا۔ لیکن بس چلنے سے کچھ دیر ہی پہلے وہ اسی بس میں سوار ہو گئے۔ میں نے وجہ پوچھی تو
انھوں نے سرگوشی کے انداز میں کہا کہ وہ (اشارہ کرتے ہوئے) ایک آدمی ان تین آدمیوں کو بس
میں سوار کر کے چلا گیا ہے اور اس نے آپ کی پہچان بھی کرائی ہے۔ مجھے یہ تینوں شخص مشتبہ نظر
آتے ہیں۔ چنانچہ میں اس بس میں ایبٹ آباد تک آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ راستے میں مولانا
مسعود الرحمن نے ان آدمیوں کے پاس پستول بھی دیکھ لیے اور ان آدمیوں کی حرکات و سکنات

سے ہمارا شبہ یقین میں بدل گیا لیکن ہماری سمجھ میں دفاع اور بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی جو بلیاں کے قریب پہنچنے سے پہلے اللہ کریم نے دل میں یہ خیال ڈال دیا کہ اندھیرا ہونے کو ہے بہتر ہے سفر بند کر دیا جاتے۔ چنانچہ جب بس کھڑی ہوتی تو مولانا مسعود الرحمن نے میرا سوٹ کیس اٹھایا اور ہم ابھی اترنے ہی لگے تھے کہ ”وہ تینوں غنڈے بے قابو ہو گئے“ اپنا شکار ہاتھ سے جاتا دیکھ کر بے سوچے سمجھے مجھ پر حملہ کر دیا۔ اسی اثناء میں ان میں سے ایک غنڈے نے نیپے سے کوئی چیز نکالی۔ پھر میں نے فوراً ہی فاتر کی آواز سنی۔ میں نے اپنے درمقابل غنڈے کے ہاتھ مضبوطی سے تھامے رکھے۔ باقی دو غنڈوں کو مسعود الرحمن صاحب نے مجھ تک پہنچے کا موقع ہی نہ دیا۔ اس کش مکش میں میرے اس محسن کا ہاتھ بھی زخمی ہوا اور ان کے ہاتھ سے بہنے والے خون سے میرے کپڑے بھی لت پت ہو گئے۔ غنڈے سمجھے کام ہو گیا۔ چنانچہ ایک نے فخریہ انداز میں میرا نام لے کر کہا کہ مولوی کو گولی لگ گئی ہے۔ میرا نام سننا ہی تھا کہ لوگ دوڑے ہوئے آئے۔ ایک غنڈہ تو دوڑ چکا تھا باقی دو کو پکڑ لیا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایسٹ آباد سے اے ایس پی اور پولیس کی دو مسلح گاڑیاں آپہنچیں اور مقدمہ درج کر لیا گیا ہم ایسٹ آباد کے سول ہسپتال میں داخل کر دیے گئے۔

مولانا غلام غوث ہزاروی نے اس سانحہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ حملہ سوچی سمجھی سکیم کے تحت مجھ پر کرایا گیا۔ اور میں یہ الزام ہی نہیں لگاؤں گا، بلکہ صراحتاً یہ کہوں گا کہ مجھ پر قاتلانہ حملہ سے موڈودی صاحب اور جماعت اسلامی دونوں ملک بھر میں رسوا ہو چکے ہیں۔

میں اسلام کے نام پر مرنے والا شخص ہوں۔ مجھے کسی کا کوئی ڈر نہیں جب تک تقدیر میں موت نہیں لکھی ہوتی مجھ پر لاکھ حملے ہوں۔ میں کلمہ حق کتا ہی رہوں گا۔



انسٹرویو

(یہ انسٹرویو کراچی سے شائع ہونے والے ۲۳ فروری ۱۹۷۶ء کے ہفت روزہ ”اخبارِ جہاں“ سے لیا گیا ہے۔)

محبوب رہنما

دسمبر ۱۹۷۶ء کے عام انتخابات کے بعد علماء کی جماعت، جمعیت علماء اسلام کو جو سیاسی اہمیت حاصل ہوئی ہے اس سے انکار ممکن نہیں۔ خصوصاً اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکے گا کہ جس نئی پارٹی نے پورے ملک میں تسلسلہ مچا دیا تھا اس کے چیئرمین جمعیت کے رہنما مولانا مفتی محمود صاحب سے انتخاب میں ہار گئے۔ صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے بعد خصوصیت کے ساتھ یہ بات سامنے آئی کہ بلوچستان اور سرحد میں جمعیت علماء اسلام ایسی اہم سیاسی طاقت ہے جو قیوم لیگ اور نیشنل عوامی پارٹی کے درمیان پاشنگ کی حیثیت رکھتی ہے۔

عام انتخابات میں اس کامیابی کے لیے مہم جوئی کرنے والی جمعیت کی شخصیات میں مولانا مفتی محمود صاحب اور مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کو خاص مقام حاصل ہے۔ انتخابات کے بعد جمعیت کے ان ہی دونوں لیڈروں نے سیاسی مذاکرات میں حصہ لیا اور ان ہی کی مساعی کے نتیجے میں بہت جلد یہ بات سامنے آگئی کہ صوبہ سرحد اور بلوچستان میں جمعیت کے تعاون کے بغیر کامیاب حکومت سازی ممکن نہیں ہوگی۔ ان



بنیادی مسائل کا حل

مولانا سے ہمارا پہلا سوال یہ تھا کہ :
”آپ کے نزدیک اس وقت ملک کے بنیادی مسائل کیا ہیں اور ان کو کس طرح

حل کیا جائے گا؟“

مولانا نے جو جمعیت کے جھنڈے کی طرح سیاہ سفید پٹیوں دار سوٹ پہنے ہوئے
اُنی چادر میں لپٹے آرام سے بیٹھے تھے ہمارا سوال بڑے غور سے سنا مزید سنا اور پھر سلسلہ کلام
کا آغاز کیا۔ مسائل کی نشاندہی کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس وقت تین مسئلے سب
سے زیادہ اہم ہیں۔

- پہلا یہ کہ ملک کو بیرونی خطرات سے اطمینان بخش طور پر کس طرح محفوظ کیا جائے؟
- دوسرا یہ کہ بھارت اور شرقی پاکستان سے مستقل تعلقات کے بارے میں کیا قدم

اٹھایا جاتے؟

- تیسرا یہ کہ ملک کی اندرونی خرابیاں کیونکر دور کی جائیں؟

میرا خیال یہ ہے کہ اگر ان مسائل کو حل کر لیا جائے تو ہمارے حالات بہتر ہو سکتے
ہیں۔ معاملہ کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا: ”بیرونی خطرے سے حفاظت کے
ضمن میں سب سے پہلے تو یہ ضروری ہے کہ ہم قبل از وقت بلند بانگ دعوے کرنا اور
ڈینگیں مارنا چھوڑ دیں۔ کیونکہ میرا خیال ہے کہ بھارت ہمارے بعض لیڈروں کے غیر
ذمہ دارانہ بیانات سے رہنمائی حاصل کر کے ہمارے خلاف موثر اقدامات کرتا ہے۔ اور
کامیابی حاصل کرتا ہے۔ مثلاً گذشتہ جنگ سے ذرا پہلے ہمارے ہاں سے یہ کہا گیا کہ
کشمیر میں ایک لاکھ مجاہد لڑنے کے لیے تیار ہیں۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ بھارت نے اس علاقے
میں دو ڈوٹرین فوج کا اضافہ کر دیا۔ تو اس لیے :

- پہلی بات یہ ہے کہ چوبیس سال کی یہ ڈینگیں مارنے کی بیماری ہمیشہ کے لیے ترک
کر دی جاتے۔

○ دوسری بات یہ ہے کہ ملک کا دفاعی نظام ملک کے منتخب نمائندوں کے مشورے سے بہتر اصولوں پر قائم کیا جائے۔

ان نمائندوں کو اعتماد میں لینے کا مطلب پوری قوم کو اعتماد میں لینا ہوگا اور جب تک پوری قوم کو اعتماد میں لے کر دفاعی تیاریاں نہیں کی جائیں گی اس وقت تک اس سمت میں کی جانے والی کوششوں کو محلاتی سازشوں سے تعبیر کیا جائے گا۔

مولانا نے ایک لمحہ کے توقف کے بعد فرمایا : دوسرا مسئلہ بھارت اور مشرقی پاکستان سے مستقل تعلقات کا ہے۔ اس سلسلہ میں محترم جناب ذوالفقار علی بھٹو نے متفہم لیڈروں سے ملاقات کی کوشش ظاہر کی ہے۔ خیال برا نہیں ہے۔ بات چیت مفید ہو سکتی ہے بشرطیکہ ملاقات برائے ملاقات نہ ہو، بامقصد ہو، مفادات کے پیش نظر تخریب نہ ہو، بلکہ تعمیر ہو۔ یہ بات میں اس لیے کہ رہا ہوں کہ ابھی تک ہمارے ملک میں منفی کام ہوتا رہا ہے۔ اب ضرورت یہ ہے کہ مثبت کام کیا جائے۔ میں سنڈیگاندھی کی اس بات کو درست سمجھتا ہوں کہ مشرقی پاکستان سے متعلق امور کی بات چیت مشرقی پاکستان کے ہی لیڈروں کے ساتھ ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں یہ شرط آڑے نہیں آسکتی کہ پہلے ہم بنگلہ دیش کو تسلیم کریں۔ دنیا جانتی ہے کہ امریکہ نے چین کو تسلیم نہیں کیا۔ اس کے باوجود اسے جمہوریت نواز ملک سمجھا جاتا ہے۔ ہم خود اسرائیل کو تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن اسرائیل کو تسلیم کرنے والے ملک ایران سے گہرے دوستانہ اور برادرا نہ تعلقات رکھتے ہیں۔

تیسرا مسئلہ ملک کی اندرونی خرابیاں دور کرنے کا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ :

- ہمارے ملک میں رشوت ستانی عام ہے۔
- شراب نہ پینا عیب ہے۔
- بے حیائی کے خلاف بات کرنا معیوب ہے۔

- ننگے ناچ اور جنسی تعلقات پر فخر کیا جاتا ہے۔
- شراب کو ماں کا دودھ سمجھ کر پیا جاتا ہے۔ ایک لاکھ گیلن سالانہ خرچ ہے۔
- دینی امور کے ساتھ بھینٹا نفاق کیا جا رہا ہے۔

اور اس کے ساتھ ہی ہمارے ملک میں یہ بات بالکل فراموش کر دی گئی ہے کہ اخلاقی برائیوں میں ملوث ہونے والی کوئی قوم باہم عروج تک نہیں پہنچ سکتی۔

میں ان ہی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے تو کہتا ہوں کہ ہمارے موجودہ مصائب کا اصل سبب نہ فوجی شکست ہے، نہ جہاد کے جذبے کی کمی اور نہ ہی قلت و کثرت کا مسئلہ اصل چیز یہ ہے کہ ہم ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے والی چیزوں کی حوصلہ افزائی کرنے میں لگے ہوئے ہیں

اب سوال یہ ہے کہ اس درجہ خراب حالات کی اصلاح کیسے ہو؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلہ میں

- سرکاری اور غیر سرکاری ذرائع کا ساتھ ساتھ استعمال ہونا ضروری ہے
- تمام تبلیغی ذرائع کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے
- قوم کے منتخب نمائندوں کے ذریعہ موثر انسدادی قوانین بنوائے جائیں اور ان کا سختی سے نفاذ ہو

- کیونکہ جتنی زیادہ سختی کی جائے گی اتنی ہی زیادہ کامیابی نصیب ہوگی۔
- ایک اور بات جو خاص طور پر ذہن نشین کر لینی چاہیے۔

○ ”کہ ملک سے تمام جاسوسوں کو نکال باہر کیا جائے کیونکہ جب تک ہم اپنے رازوں کو راز نہ رکھ سکیں گے تب تک کامیابی اور ترقی ممکن نہیں۔“

جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے بھارت نے حالیہ جنگ میں اپنا تیار کردہ اسٹی فی صدر سامان جنگ استعمال کیا ہے۔ دوسری طرف وہ ایٹم بم کی تیاری میں مصروف

تمام کامیابیوں کے باعث جمعیت کے دونوں ممتاز لیڈروں کو قومی سطح پر مزید اہمیت حاصل ہوئی جو نیپ اور پیپلز پارٹی سے نتیجہ خیز مذاکرات کا سبب بنی۔

پچھلے دنوں جمعیت کے یہ دونوں لیڈر کراچی آئے ہوئے تھے۔ اتفاق سے ہمیں رابطہ قائم کرنے میں دیر ہو گئی۔ چنانچہ مفتی محمود صاحب تو نکل گئے۔ لیکن مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی سے بات چیت کا موقع مل گیا۔ ان سے ہماری یہ ملاقات نیوٹاون کی جامع مسجد کے حجرے میں ہوئی۔ طلباء اور عقیدت مند مولانا کو گھیرے بیٹھے تھے۔ پشتوزبان میں گفتگو ہو رہی تھی۔ ہم نے چند ناموں اور لب و لہجہ سے اندازہ لگایا کہ معاملہ سیاسی ہے۔ اور اس کی نوعیت نازک سی ہے۔ اس لیے ہمیں نصف گھنٹہ انتظار کرنا پڑا۔ کیونکہ اتفاق سے ہم بالکل صحیح وقت پر پہنچ گئے تھے۔

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی سے بات چیت کا یہ سلسلہ رات بارہ بجے تک جاری رہا۔ اس دوران ان کی طرح سونے والے بھی مستعد تھے۔ ان سے گفتگو کے بعد جب باہر نکلے تو ہر طرف گہرا سکوت چھایا تھا۔۔۔۔۔۔ اور صدر دروازہ بھی بند تھا۔ ایک صاحب دیر تک چوکیدار کی تلاش میں وسیع و عریض مسجد کا چکر لگاتے رہے۔

ایک اور صاحب نے جو ہماری طرح اندر گرفتار ہو گئے تھے، چوکیدار کو آدھریں دینی شروع کیں۔ تب ایک صاحب سے وہ مرد قلندر چابیاں چمکارتا ہوا نمودار ہوا اور ہمیں رہائی ملی۔

نثار احمد زبیری



بنیادی مسائل کا حل

مولانا سے ہمارا پہلا سوال یہ تھا کہ :

”آپ کے نزدیک اس وقت ملک کے بنیادی مسائل کیا ہیں اور ان کو کس طرح

حل کیا جائے گا؟“

مولانا نے جو جمعیت کے جھنڈے کی طرح سیاہ سفید پٹیوں دار سوٹ پہنے ہوئے

اُٹنی چادر میں لپٹے آرام سے بیٹھے تھے ہمارا سوال بڑے غور سے سنا مزید سنا اور پھر سلسلہ کلام

کا آغاز کیا۔ مسائل کی نشاندہی کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس وقت تین مسئلے سب

سے زیادہ اہم ہیں۔

○ پہلا یہ کہ ملک کو بیرونی خطرات سے اطمینان بخش طور پر کس طرح محفوظ کیا جائے؟

○ دوسرا یہ کہ بھارت اور مشرقی پاکستان سے مستقل تعلقات کے بارے میں کیا قدم

اٹھایا جاتے؟

○ تیسرا یہ کہ ملک کی اندرونی خرابیاں کیونکر دور کی جائیں؟

میرا خیال یہ ہے کہ اگر ان مسائل کو حل کر لیا جائے تو ہمارے حالات بہتر ہو سکتے

ہیں۔ معاملہ کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا: ”بیرونی خطرے سے حفاظت کے

ضمن میں سب سے پہلے تو یہ ضروری ہے کہ ہم قبل از وقت بلند بانگ دعوے کرنا اور

ڈینگیں مارنا چھوڑ دیں۔ کیونکہ میرا خیال ہے کہ بھارت ہمارے بعض لیڈروں کے غیر

ذمہ دارانہ بیانات سے رہنمائی حاصل کر کے ہمارے خلاف موثر اقدامات کرتا ہے۔ اور

کامیابی حاصل کرتا ہے۔ مثلاً گزشتہ جنگ سے ذرا پہلے ہمارے ہاں سے یہ کہا گیا کہ

کشمیر میں ایک لاکھ مجاہد لڑنے کے لیے تیار ہیں۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ بھارت نے اس علاقے

میں دو ڈوٹرین فوج کا اضافہ کر دیا۔ تو اس لیے :

○ پہلی بات یہ ہے کہ چوبیس سال کی یہ ڈینگیں مارنے کی بیماری ہمیشہ کے لیے ترک

کر دی جائے۔

○ دوسری بات یہ ہے کہ ملک کا دفاعی نظام ملک کے منتخب نمائندوں کے مشورے سے بہتر اصولوں پر قائم کیا جائے۔

ان نمائندوں کو اعتماد میں لینے کا مطلب پوری قوم کو اعتماد میں لینا ہوگا اور جب تک پوری قوم کو اعتماد میں لے کر دفاعی تیاریاں نہیں کی جائیں گی اس وقت تک اس سمت میں کی جانے والی کوششوں کو محلاتی سازشوں سے تعبیر کیا جائے گا۔

مولانا نے ایک لمحہ کے توقف کے بعد فرمایا : دوسرا مسئلہ بھارت اور مشرقی پاکستان سے مستقل تعلقات کا ہے۔ اس سلسلہ میں محترم جناب ذوالفقار علی بھٹو نے متفہم لیڈروں سے ملاقات کی کوشش ظاہر کی ہے۔ خیال برا نہیں ہے۔ بات چیت مفید ہو سکتی ہے بشرطیکہ ملاقات برائے ملاقات نہ ہو، بامقصد ہو، مفادات کے پیش نظر تخریب نہ ہو، بلکہ تعمیر ہو۔ یہ بات میں اس لیے کہ رہا ہوں کہ ابھی تک ہمارے ملک میں منفی کام ہوتا رہا ہے۔ اب ضرورت یہ ہے کہ مثبت کام کیا جائے۔ میں سنڈر گاندھی کی اس بات کو درست سمجھتا ہوں کہ مشرقی پاکستان سے متعلق امور کی بات چیت مشرقی پاکستان کے ہی لیڈروں کے ساتھ ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں یہ شرط آڑے نہیں آسکتی کہ پہلے ہم بنگلہ دیش کو تسلیم کریں۔ دنیا جانتی ہے کہ امریکہ نے چین کو تسلیم نہیں کیا۔ اس کے باوجود اسے جمہوریت نواز ملک سمجھا جاتا ہے۔ ہم خود اسرائیل کو تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن اسرائیل کو تسلیم کرنے والے ملک ایران سے گھرے دوستانہ اور برادرانہ تعلقات رکھتے ہیں۔

تیسرا مسئلہ ملک کی اندرونی خرابیاں دور کرنے کا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ :

○ ہمارے ملک میں رشوت ستانی عام ہے۔

○ شراب نہ پینا عیب ہے۔

○ بے حیائی کے خلاف بات کرنا معیوب ہے۔

- ننگے ناچ اور جنسی تعلقات پر فخر کیا جاتا ہے۔
- شراب کو ماں کا دودھ سمجھ کر پیا جاتا ہے۔ ایک لاکھ گیلن سالانہ خرچ ہے۔
- دینی امور کے ساتھ بمیانک مذاق کیا جا رہا ہے۔
- اور اس کے ساتھ ہی ہمارے ملک میں یہ بات بالکل فراموش کر دی گئی ہے کہ اخلاقی برائیوں میں ملوث ہونے والی کوئی قوم باجم عروج تک نہیں پہنچ سکتی۔
- میں ان ہی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے تو کہتا ہوں کہ ہمارے موجودہ مصائب کا اصل سبب نہ فوجی شکست ہے، نہ جہاد کے جذبے کی کمی اور نہ ہی قلت و کثرت کا مسئلہ اصل چیز یہ ہے کہ ہم ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے والی چیزوں کی حوصلہ افزائی کرنے میں لگے ہوئے ہیں
- اب سوال یہ ہے کہ اس درجہ خراب حالات کی اصلاح کیسے ہو؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلہ میں
- سرکاری اور غیر سرکاری ذرائع کا ساتھ ساتھ استعمال ہونا ضروری ہے
- تمام تبلیغی ذرائع کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے
- قوم کے منتخب نمائندوں کے ذریعہ موثر انسدادی قوانین بنوائے جائیں اور ان کا سختی سے نفاذ ہو
- کیونکہ جتنی زیادہ سختی کی جائے گی اتنی ہی زیادہ کامیابی نصیب ہوگی۔
- ایک اور بات جو خاص طور پر ذہن نشین کر لینی چاہیے۔
- ”کہ ملک سے تمام جاسوسوں کو نکال باہر کیا جائے کیونکہ جیت تک ہم اپنے رازوں کو راز نہ رکھ سکیں گے تب تک کامیابی اور ترقی ممکن نہیں۔“
- جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے بھارت نے حالیہ جنگ میں اپنا تیار کردہ اسٹی فی صد سامان جنگ استعمال کیا ہے۔ دوسری طرف وہ ایٹم بم کی تیاری میں مصروف

ہے۔ اور ضرورت کے وقت تجربہ کر سکتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ہمارا ملک غیر ممالک پر بھروسہ کرتا ہے۔ اس نے کسی کو اپنا آبا بنایا ہے تو کسی کو چچا۔۔۔ حالانکہ ان سب نے مل کر پاکستان کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کی کوشش کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ وہ اس میں پوری طرح کامیاب نہ ہوتے۔

ہم سے بہت سے لوگ پوچھتے ہیں کہ اب اس ملک کا کیا ہوگا؟ آپ خود بھی انٹرویو میں یہی معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آخر کاریاں ہونا کیا ہے۔؟

میں کہتا ہوں کہ پانچ کروڑ کی آبادی کا ملک چھوٹا ملک نہیں ہوتا۔ اگر سوئزرلینڈ افغانستان، لبنان اور ترکی ایسے ممالک اطمینان سے رہ سکتے ہیں اور ترقی کر سکتے ہیں تو ہمارے لیے کیا مشکل ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ برائیوں سے علیحدہ ہو کر خدا داد ذرائع سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ہم نے افغانستان کی طرح ہر آٹھویں آدمی کے لیے لازمی فوجی تربیت پر توجہ نہیں دی۔ تاریخ کی واضح مثال ہے کہ تھوڑے سے عربوں نے تقریباً سو سال تک بلا شرکت غیرے ایک طرف ملتان، دوسری طرف مراکش اور تیسری طرف بخارا تک کو فتح کیا ہے۔ ان کی کامیابی کا اصل سبب کیا تھا۔ یہی کہ انہوں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی، معاشرتی، اعتقادی، روحانی اور جسمانی تعلیمات کو جزوِ جان بنالیا تھا۔ اور ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ خلق خدا کی خدمت ہو اور اسلام کا پرچم سرفراز ہو۔ ناممکن ہے کہ ہم ان تعلیمات کو رہنما بنائیں اور کامیاب نہ ہو سکیں۔ مسلمانوں کے لیے تعداد کا مسئلہ کبھی رکاوٹ نہیں بنا، اور ملت اسلامیہ نے توجہ نہ سمجھوروں پر گزارہ کر کے بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کی تھیں اس لیے ہمیں اب بھی وہی لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ کیا ہم نے ۲۴ سال تک یورپ کی تقلید کر کے دیکھ نہیں لیا کہ مغربی تہذیب کے گندے انڈوں نے ہمیں ان حالوں تک پہنچا دیا ہے۔ اب ہمیں اپنی حالتِ زار سے اور سبق سیکھنا چاہیے۔

بھٹو کے اقدام پر تبصرہ

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی سے ہمارا دوسرا سوال صدر ذوالفقار علی بھٹو کے اہم اقدامات پر تبصرے سے متعلق تھا۔ سب سے پہلے گورنروں، وزیروں اور مشیروں کے تقریر پر بات چیت شروع ہوئی۔

مولانا نے فرمایا: ”گورنروں کا تقریر عموماً مرکز کرتا ہے۔ اس لیے بھٹو صاحب کو اختیار تھا کہ وہ گورنروں کا تقریر کرتے۔ لیکن جمہوریت کی روشنی میں جس طرح انھوں نے سندھ اور پنجاب میں اکثریتی پارٹی کے گورنر مقرر کیے ہیں۔ اسی جمہوری پیمانے پر انہیں سرحد اور بلوچستان میں اکثریتی پارٹی کے حقوق کا خیال کرنا چاہیے تھا۔ کم از کم مشورہ ضرور کرنا چاہیے تھا۔ لیکن افسوس ایسا نہیں ہوا۔ ہم نے راولپنڈی کے مذاکرات میں بھی یہ بات ان پر اچھی طرح واضح کر دی تھی کہ اگر ہم سے مشورہ کیا جاتا تو ہو سکتا تھا کہ ہم جناب حیات محمد خاں شیراؤ کے نام پر ہی متفق ہو جاتے۔ لیکن بلوچستان کے حالات مختلف ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہاں کی رائے عامہ موجودہ انتظام سے کبھی مطمئن نہیں ہوگی۔

دوسری چیز یہ ہے کہ حکومت نے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے اجلاس بلانے کا وعدہ کیا ہے۔ اگر یہ کام جلد ہو جاتا تو گورنروں کے اختیارات کم ہو جاتے اور وہ اسمبلیوں کے سامنے جواب دہ ہوتے۔ لیکن حکومت جمہوریت کے بلند بانگ دعوئی کے ساتھ مارشل لا برقرار رکھ رہی ہے۔ ابتدا میں ہم نے بھی حکومت کو مارشل لا اٹھانے سے منع در سمجھا تھا۔ کیونکہ مشرقی پاکستان کی تصفیہ طلب باتیں پریشان کن تھیں۔ لیکن اب کم از کم میرا یہ موقف نہیں ہے۔ اگر ہم نے بنگلہ دیش کو کبھی تسلیم نہ کیا تو کیا ہمارے ہاں ہمیشہ مارشل لا قائم رہے گا اور قومی اسمبلی کا اجلاس نہیں ہوگا؟

بہر حال ہمیں اپنے ملک میں جمہوری نظام ضرور قائم کرنا ہے۔ کیونکہ جمہوریت کی بحالی اور قومی اسمبلی کا اجلاس مشرقی پاکستان کے معاملہ میں مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ رکاؤ ہرگز نہیں بن سکتا۔ ویسے بھی اب مشرقی پاکستان کا معاملہ کافی حد تک صاف ہو چکا ہے۔ اگر ہم اب بھی یہ خیال رکھیں کہ حسب سابق وہ پاکستان کا جزو بنا رہے گا تو لوگ ہمیں پاگل خانے کا راستہ دکھانے میں دشمن کے ہاں سچے سمجھے جائیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ ہم اسراٹیل کی طرح اس کو کبھی تسلیم نہ کریں اور جائز حقوق کے لیے جدوجہد کرتے رہیں۔ لیکن یہ بات قطعی طور پر غیر معقول ہے کہ جب تک مشرقی پاکستان کا مسئلہ حل نہ ہو ہم جمہوریت سے محروم رہیں۔

دولت مشترکہ

صدر ذوالفقار علی بھٹو کا دوسرا اہم قدم دولت مشترکہ سے علیحدگی کا ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا ہزاروی نے فرمایا:۔۔۔ ہماری پارٹی ابتداء ہی سے اس سلسلہ میں آواز اٹھا رہی تھی کہ دولت مشترکہ انگریز کی خطرناک چالوں میں سے ایک چال ہے۔ سابقہ حکومتوں نے اس چال کو نہیں سمجھا اور انگریز سے مرعوب ہونے کی بنا پر ہمارے دولت مشترکہ سے علیحدگی اختیار کرنے کے مطالبہ کو کوئی حیثیت نہ دی۔ کیا پھر دیکھ نہ لیا کہ انگریز نے گزشتہ جنگ میں ہمارے مخالفوں کا ساتھ دیا۔ اس لیے اچھا ہوا کہ یہ ڈھونگ ختم ہو گیا۔ تاہم بعض غیر ملکی طاقتیں سابق تعلقات کو بحال رکھنے پر زور دے رہی ہیں۔ اب ہمیں اس سلسلے میں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

میلنگ انجینئرنگ کی سرکاری تحویل میں

صدر بھٹو کے ایک اور اہم اقدام پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی

نے فرمایا :

”بڑی صنعتوں کو قومیا نے اور تحدید ملکیت آراضی کا وعدہ تو سوشلزم کے خلاف آواز اٹھانے والی اور امریکہ کو خوش کرنے والی ”جماعت“ نے بھی تحریر کیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ پھر ان ہی لوگوں نے جو پاکستان کو سوشلسٹوں کا قبرستان بنانے کی باتیں کرتے تھے اور سوشلسٹوں پر فتوے لگاتے تھے۔ سب سے پہلے بھٹو صاحب کو تعاون کا یقین دلایا۔“

بہر حال اس سلسلہ میں میری رائے یہ ہے کہ کارخانوں کا نظم و نسق چھین کر نوکر شاہی کے حوالے کرنے سے حکومت کو بدنامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر ان صنعتوں کا انتظام کسی دیانتدار کمیٹی کے سپرد کیا جاتا اور کچھ حصص مزدوروں کو دیے جاتے تو یہ اقدامات بڑی حد تک مفید ثابت ہو سکتے تھے

سفارتی تعلقات کا انقطاع

بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے والے ممالک کے خلاف اظہارِ ناراضگی کے یہ سفارتی تعلقات توڑ لینے کے اقدام پر تبصرہ کرتے ہوئے جمیعتہ علماء اسلام کے رہنما نے فرمایا :

اس سلسلے میں جذبات سے کام نہیں لینا چاہیے۔ بلکہ فی الحال ہمیں یہ پالیسی اختیار کرنی چاہیے کہ نہ تو ہم بنگلہ دیش کو تسلیم کریں اور نہ اسے تسلیم کرنے والوں سے تعلقات ختم کریں۔ مثلاً ہم نے اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے کے باوجود ایسے ممالک سے تعلقات قائم کر رکھے ہیں جو اسرائیل کو مانتے ہیں اور اسے برا درجہ دیتے ہیں۔ ہمارا فرض یہ ہونا چاہیے کہ ہم بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے والے ممالک کو سیاسی طور پر متاثر کریں اور انہیں بتائیں کہ وہ بھارت کا حصہ نہیں ہے۔ بلکہ پاکستان بنانے والا موثر حصہ ہے اور اگر ان سے ہمارے براہِ راندہ تعلقات میں خرابی آئی ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ ان کی جائز شکایات رفع نہ کی جاسکیں

اب ہماری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ہم ان سے جس قدر مفید تعلقات رکھ سکتے ہوں۔
ضرور رکھیں

ہمیں جناب صدر کی اس بات سے اتفاق ہے کہ ملک کی تمام ذمہ داریاں منتخب
نمائندوں پر عائد ہونی چاہئیں۔ اس لیے یہ معاملہ بھی ان ہی کے سپرد کیا جانا چاہیے

جنگی اور رسول قیدی

جنگی قیدیوں کو واپس لانے اور شہری کبادی کو قتل عام سے بچانے سے متعلق صدر بھٹو
نے اب تک جو کچھ کیا ہے۔ اس پر بھی مولانا ہزاروی سے تبصرہ کی درخواست کی گئی۔ انھوں نے
اس سلسلے میں جلد بازی کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے کہا۔

حکومتوں کے مسائل بہت بڑے اور پیچیدہ ہوتے ہیں۔ وہ، تفصیلی پرسوں نہیں جہا
سکتیں۔ جنگی قیدیوں کے حالات اور شہریوں کے قتل کی تفصیلات پر ہر پاکستانی کو دلی
دکھ ہے۔ لیکن اس معاملے میں جوش کے ساتھ ہوش سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ
ہم اشتعال میں آکر کوئی ایسا قدم اٹھا بیٹھیں جس سے مشرقی پاکستان کے غیر جنگالی اور بھی زیادہ
مشکلات میں گھر جائیں۔

اب ہمیں اس امر کی تحقیق ہو گئی ہے کہ سابق صدر یحییٰ — شیخ مجیب الرحمن کو
مارڈالنا چاہتے تھے۔ لیکن صدر بھٹو اس سازش میں شریک نہیں تھے۔ یہ ایک گہری سازش
تھی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ مشرقی پاکستان میں اور زیادہ خون خرابہ ہو۔ تاکہ دشمنان اسلام
خوش ہوں۔

آج کل ہمارے فوجی بھارت کی قیدی میں ہیں۔ ان کی سلامتی بھارت کی ذمہ داری
ہے۔ اُمید ہے ان کی واپسی کا مسئلہ کسی نہ کسی طرح حل ہو ہی جائے گا۔ اس وقت حالات
کا یہ تقاضا ہے کہ اس سلسلے میں ہم حکومت کو کام کرنے کا موقع دیں۔ لیکن اس کے ساتھ

ہی میں حکومت سے درخواست کروں گا کہ ملک کے اندر ایسی اسکیموں پر عمل نہ کرے جن سے ان کی معاون پارٹیوں کے لیے کام کرنا مشکل ہو جاتے۔ اگر حکومت قومی و صوبائی سہیلیوں کا اجلاس بلائے اور مارشل لا ختم کر دے تو تمام بدگمانیاں دُور ہو جائیں گی۔

سرحد اور بلوچستان کے سیاسی حالات

ہمارا اگلا سوال صوبہ سرحد اور بلوچستان کے سیاسی حالات اور علیحدگی کے خطرات سے متعلق تھا۔

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے اس سلسلے میں فرمایا :
 ”یہ بات غلط ہے کہ آج کل صوبہ سرحد اور بلوچستان میں علیحدگی کے جذبات طاقتور ہو گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ جذبہ سندھ میں پایا جاتا ہے۔ سرحد کی صورت حال تو یہ ہے کہ یہ صوبہ پاکستان سے باہر کی کسی حکومت کے زیر اثر رہ ہی نہیں سکتا۔ اور نہ ہی باہر کی کوئی حکومت اس پر فرماں روائی کر سکتی ہے۔ یہی صورت حال بلوچستان کی ہے۔ البتہ جب شہنشاہیت کا ڈھائی ہزار سالہ جشن پاکستان میں بھی سرکاری طور پر دھوم دھام سے منایا گیا تو یہ خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ شاید باہر کی کوئی طاقت اس لگائے بیٹھی ہے۔ لیکن گزشتہ جنگ کے دوران افغانستان وغیرہ کا جو رویہ رہا اس سے تمام شکوک و شبہات ختم ہو گئے۔“

انھوں نے فرمایا :

”صوبہ سرحد اور بلوچستان میں علیحدگی کا کوئی جذبہ نہیں ہے۔ صرف مارشل لا اٹھانے اور جمہوریت کی بحالی کا مطالبہ ہے۔ جو صحیح بھی ہے اور جناب صدر کی اپنی جمہوریت پسندی کے مطابق بھی ہے۔ اگر ان دونوں صوبوں کے اس جائز مطالبے کو ملحوظ نہ رکھنے سے خدا نخواستہ کوئی نقصان ہوا تو اس کی ذمہ داری جائز مطالبہ کرنے والوں پر نہیں ہوگی۔“

میں نے شروع ہی میں کہا تھا کہ یہ جذبہ سرحد اور بلوچستان میں نہیں، صوبہ سندھ

میں پایا جاتا ہے اور اس میں پھیلنے کے جراثیم موجود ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہاں کے بعض پنجابی ملازمین اپنی غلط حرکات کے باعث پنجاب کے تین کروڑ شریف مسلمانوں اور سچے پاکستانیوں کو بدنام کر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ہمارے ساتھی مولانا اسفندیار صاحب نے پستول کے لائسنس کے لیے درخواست دی۔ تمھانیدار نے ان سے بالکل صاف الفاظ میں دو سو روپے بطور رشوت طلب کیے اور روپے نہ ملنے پر درخواست مسترد کر دی۔

اتحاد کے لیے تجاویز

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی سے ہمارا چوتھا سوال یہ تھا کہ مغربی پاکستان میں مہاجر، پنجابی، بلوچی، سندھی اور پٹھان اتحاد انتھائی ضروری ہو گیا ہے۔ آپ کے خیال میں اس اتحاد کے لیے کیا کیا جانا چاہیے؟ جواباً انہوں نے پہلے تو اس امر کی تصدیق کی کہ اس اتحاد کی ضرورت پہلے کے مقابلے میں بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ اور اس کے بعد فرمایا:

”تمام قوموں اور تمام صوبوں کے باشندوں میں اسلامی اخوت، اسلامی جذبات اور ملکی سالمیت کے لیے یکساں تڑپ کا ہونا ضروری ہے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہم اسلامی تعلیمات سے آراستہ ہوں اور دیانت و امانت کو کسی قیمت پر ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ ایک طرف تو قانون صحیح بنے۔ دوسری طرف خدا کا خوف دلوں میں بٹھایا جائے۔ اور افراد کے درمیان صوبائی، لسانی اور طبقاتی عصبیت کو ختم کرنے کے لیے تمام آئینی ذرائع استعمال کیے جائیں۔ اس کے لیے صبر اور قانون سے زیادہ محبت و اخوت سے کام کرنے والوں کی ضرورت ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ پانچ کروڑ مسلمان اگر صحیح راستے پر چلیں تو وہ اپنے سے دس گنا بڑی طاقت کو بھی سرنگوں کر سکتے ہیں۔“

اسلامی نظام کے قیام کا مسئلہ

جمعیت علماء اسلام کے رہنما سے ہمارا پانچواں سوال یہ تھا کہ دسمبر ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں واضح شکست اور اس کے بعد کے حالات کے بعد اب ملک میں اسلامی نظام کے قیام کی کس حد تک امید کی جاسکتی ہے ؟

سوال نازک تھا۔ مولانا ہزاروی صاحب نے چند لمحے توقف کے بعد کہنا شروع کیا ”حالات اور امیدوں کو ناپنے کا کوئی پیمانہ تو ہونا نہیں سکتا۔ حالات اس طرح کے ہیں کہ امید یا ناامیدی کی بات مشکل ہے۔ البتہ صدر محترم کے مشیر جناب کوثر نیازی نے شرعی حمایت کا اعلان کر کے بہت کچھ امید دلا دی ہے۔ ان کے علاوہ سندھ کے سینئر مشیر جناب میر رسول بخش تالپور نے (جو ج وفد میں شامل تھے) کافی امید دلائی ہے۔ ہم ان کے اسلامی جذبات سے کافی متاثر ہوئے۔ خود صدر محترم جناب ذوالفقار علی بھٹو سوشلزم کے ساتھ ”اسلامی“ کا لفظ اس لیے استعمال کرتے ہیں کہ سوشلزم میں کوئی غیر اسلامی بات ہو تو اس کا اڑکاب نہ کیا جائے۔ ہمیں ایک سوتیرہ کی طرح قبل از وقت بدگمانیوں کا طومار نہیں باندھنا چاہیے۔ لیکن بالفرض اگر اسمبلی کے اندر یا کابینہ میں کوئی ایسا معاملہ آیا جو اسلامی نقطہ نظر سے درست نہ ہو تو جمعیت علماء اسلام صحیح بات منوانے کے لیے اپنی پوری طاقت صرف کر دے گی۔ انشاء اللہ

تعلیمی پالیسی پر تبصرہ

چھٹا سوال متوقع تعلیمی پالیسی سے متعلق تھا۔ مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی سے دریافت کیا گیا کہ اگر آنے والی تعلیمی پالیسی حقیقت میں لاوینی نوعیت کی ہو تو آپ لوگوں کا رد عمل کیا ہوگا۔

انھوں نے فرمایا :

”اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اس وقت جو نظام تعلیم رائج ہے وہ بھی دینی قسم کا نہیں ہے۔ اس نظام میں حالت یہاں تک پہنچی ہوئی ہے کہ اسکولوں اور کالجوں کی کتب میں خلاف اسلام مواد موجود ہے۔ نظام تعلیم میں یہ بات خصوصی اہمیت رکھتی ہے کہ اگر مختلف علوم کی تفصیلات خالص مذہبی نقطہ نگاہ سے بیان نہ کی گئی ہوں تو بھی نظام کو لادینی نظام نہیں کہتے۔ البتہ دینی تعلیم کا نظام بھی ضروری خیال کیا جانا چاہیے۔ اگر آنے والی تعلیمی پالیسی میں دین کے خلاف کوئی بات ٹھونس گئی تو ایسا کرنے والے حکومت کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ وہ عوام کو حکومت کے خلاف ہنگامے کا موقع فراہم کریں گے اور یہ بڑی بد قسمتی کی بات ہوگی۔ میں یہاں شیعہ بھائیوں کی اس تحریک کا تذکرہ بھی کروں گا جو دینی تعلیم اور بعض دوسری باتوں کے سلسلے میں شروع کی جا رہی ہیں۔ ان کی خدمت میں عرض کروں گا کہ وہ اس طرح کے فرقہ وارانہ مطالبات نہ کریں۔ ورنہ بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ سکتی ہے کہ ملازمتوں وغیرہ میں بھی تناسب آبادی کے مطابق مختلف فرقوں کو نمائندگی دی جائے۔ بہتر یہ ہے کہ اب تک جس طرح بل جل کر کام ہوتا رہا ہے اسی طرح ہوتا رہے۔ کیونکہ قوم نے سوائے مرزائیت کے ان سب کو قبول کیا ہے۔ بعض افسرانِ عصبیت اور خبیث باطن کا مظاہرہ کرتے ہیں تو ان کے خلاف احتجاج ہوتا ہے۔ لیکن بحیثیتِ مجموعی قومی مشینری اپنا کام کرتی رہتی ہے۔“

شراب کی تباہ کاریاں

مولانا صاحب سے ہمارا سا تو ان اور آخری سوال اس انگور کی بیٹی سے متعلق تھا۔ جسے ہمارے خرمین ہستی پر بجلی گروانے کا ذمہ دار قرار دیا جا رہا ہے۔ سوال یہ تھا کہ شراب کی تباہ کاریاں سامنے آجانے کے بعد ملک میں شراب نوشی

کے خلاف ایک عام فضا بن گئی ہے۔۔۔۔۔ اس موقع پر کیا علماء کرام اس کے خلاف کوئی منظم تحریک چلانے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں؟

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے فرمایا :

ہمیں مہم چلا کر کرڈیٹ حاصل کرنے کا قطعی شوق نہیں ہے۔ ویسے بھی دستیابی مہم اور خاموش مظاہروں کی مہم ایک مشہور امریکی نواز پارٹی کا شاہکار ہے۔ ہم اس سلسلے میں صدر بھٹو سے یہ کہنا ضروری اور کافی سمجھتے ہیں کہ شراب کے معاملہ میں وہ اندرا اور مجیب سے پیچھے نہ رہیں۔

میرا قصور معاف کر دیا جائے تو میں کالجوں کے ان نو نہالان قوم کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جنہوں نے پشاور اور کراچی وغیرہ میں شراب کے خلاف بے تدبیر جہاد کیا ہے۔ شراب کے علاوہ اگر کوئی اور مہم چلانا چاہیں تو میری رائے یہ ہے کہ ٹائیاں کھینچنے اور پھاڑنے کا سلسلہ شروع کریں۔ کیونکہ یہ محض مچانسی کی نقل ہے۔ ویسے بھی اب سرکاری طور پر بند گلے کے کوٹ کی ہمت افزائی کی جا رہی ہے۔ کسی وقت ہمیں اقتدار ملا تو ہم زیادہ توجہ سادہ لباس رائج کرنے پر دیں گے۔

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کے ان کلمات پر میں نے ایک نظر اپنی ٹاتی پر ڈالی اور اس زمانے کے بارے میں سوچا۔ جب اس سے نجات کی مہم چلائی یا چلوائی جائے گی۔ ادھر مولانا صاحب لباس کی بات چھوڑ کر شراب کے بارے میں سنجیدہ ہو چکے تھے وہ فرما رہے تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ملکوں اور سلطنتوں کا سودا وہی سربراہان مملکت کرتے ہیں جنہوں نے شراب پی رکھی ہو۔ جو کسی سحر طراز محبوبہ کی بات ٹال نہ سکتے ہوں ہمیں شبہ ہے کہ پاکستان کے ساتھ بھی شاید نشے کے عالم میں یہ معاملہ کیا گیا ہے۔ اس لیے شراب کا ”نظام“ قطعاً بند کرنے کے قابل ہے۔

جس طرح لیبیا کے پرجوش صدر کرنل معمر القذافی نے سب سے پہلے اس اقم الخجاست

کو بند کیا۔ اسی طرح ہماری حکومت کو بھی کرنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں ہم نے جناب
 میر رسول بخش صاحب تالپور سے بھی بات چیت کی ہے۔
 بہر حال جمیعتہ علماء اسلام کو کسی صوبہ میں اقتدار ملا تو اس طرح کے اقدام
 آسان ہو جائیں گے۔



انٹرویو

(یہ انٹرویو ۴ اکتوبر ۱۹۷۲ء سے لینا شروع کیا اور چار دن کے مسلسل سفر اور جماعتی مصروفیات کی وجہ سے ۸ اکتوبر ۱۹۷۲ء کو مکمل ہوا۔ یہ اسلامی معاشرہ کے اصول مبادی پر ایک جامع کتاب کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ زیر مطالعہ کتاب کے لیے ہی لیا گیا تھا۔)

عظیم قائد

اکتوبر کی چار تاریخ تھی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ ملک کی دوسری بڑی پارٹی جمیعتہ علماء اسلام کے عظیم قائد مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی جمیعتہ کے صدر دفتر میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ پتہ چلا تو میں نے جھٹ پٹ قلم اور ڈائری منبھالی۔ آفس سے نکلا اور سیدھا چوک رنگ محل کی طرف ہولیا۔ قدم خود بخود اٹھ رہے تھے۔ پہنچا تو دیکھا کہ مرد قلندر کمرے کی دیوار سے ٹیک لگائے مصروف گفتگو ہے۔ اراکین جمیعتہ ارد گرد بیٹھے سادگی و خلوص کی اس بولتی چالقی تصویر، ہلاکی بذلہ سنج اور طناز شخصیت کی گلفشانی گفتار سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ محفل زعفران زار بنی ہوئی تھی۔ میں بھی چپکے سے ایک طرف جا بیٹھا اور اس سرنجان و سرنج رہنما کی ہنسی سے جھڑنے والے پھول چنتار ہا۔ جب ان کی نظر مجھ پر پڑی تو پیار و شفقت بھرے لہجے میں فرمایا: شمس و قمر صاحب یہاں آؤ! میں اٹھا، سلام کیا، قریب گیا، ہاتھ ملایا اور مودب ہو کر بیٹھ گیا۔ سرے دست شفقت پیرا اور فرمایا کہ اس مرتبہ انٹرویو کے لیے آپ کو ہمارے ساتھ طویل سفر کرنا پڑے گا۔ میں سر جھکائے اوزنگاہیں نیچی کیے ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ اتنا پوچھنے کے بعد مولانا جماعتی احباب سے تنظیمی امور پر تبادلہ خیال کرنے لگے۔ اس دوران میں ان کے حسین چہرے

کی طرف دیکھتا رہا۔ کشادہ پیشانی ان کی مضبوط علمی استعداد کا اظہار کر رہی تھی۔ کتابی چہرہ و نور
ایمان سے دمک رہا تھا اور چمکیلی آنکھیں ایسی بھلی معلوم ہو رہی تھیں جیسے انگشتری میں نگینے۔
دارالعلوم دیوبند کے اس مایہ ناز عالم دین نے مجلس برخاست کی اور تمام لوگوں نے باجماعت
نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی ہم نے اڑے کا رخ کیا۔ مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی
اس تیز رفتاری سے چل رہے تھے کہ میری جوانی شرابہ تھی اور میں ان کے ساتھ ایک گام بھی
بآسانی نہ چل سکا۔ اڑے پر پہنچے تو گوجرانوالہ کے لیے بس تیار تھی۔ ہم اس میں سوار ہو گئے۔ مختلف
مقامات پر جماعتی پروگرام بھگاتے ہوئے چوتھے دن مانسہرہ پہنچے تو ہمارا انٹرویو بھی مکمل ہو چکا تھا۔
وہ میرے ایک ایک سوال کو بڑے تحمل اور احترام سے سنتے اور کافی دشافی جوابات دیکھواتے
چلے جاتے۔ برجستگی اور حاضر جوابی کا یہ عالم تھا کہ میں دیکھتا کا دیکھتا رہ جاتا۔ عصری معلومات پر پورا
عمور زکھتے ہیں۔ ان کے زبان و کلام میں خیالات کا نکھار پایا جاتا ہے۔ ان کے الفاظ میں افکار
کی سچائی رچی بسی ہوتی ہے۔ اسلوب کا بانگن بھی ہوتا ہے اور مطالب کا عمق بھی۔ ان کی ہر بات
دلائل سے مزین بھی ہوتی ہے اور براہین سے آراستہ بھی۔ نصوص قطعہ کا حسن بھی ہوتا ہے اور
حوالہ جات کی سچ دھج بھی۔ وہ علمی بات کو بھی ایسے اچھے اور آسان پیرائے میں بیان کرتے ہیں
کہ معمولی سی سمجھ بوجھ رکھنے والا بھی بخوبی سمجھ جاتا ہے۔ الفاظ کا تسلسل اور عام فہم زبان کا استعمال
ان کے انداز گفتگو کو اور بھی دل نشیں بنا دیتا ہے۔ ان کے افکار و نظریات قوس و قزح کے
رنگوں کی طرح دلکش اور مربوط ہیں۔ طرز تکلم ایسا جیسے بہار میں پھول کھلتے ہیں اور قول و فعل
میں گہری ہم آہنگی ان کی شخصیت کو دل میں اتار دیتی ہے۔ یہ کوئی افسانہ آرائی نہیں کی بلکہ
چاروں کی معیت کے تاثرات سپرد قلم کر دیے ہیں۔

شمس القمر قاسمی



اسلامی معاشیات کے اصول و مبادی

میرا پہلا سوال تھا کہ اسلام میں معاشی مسئلہ کی کیا اہمیت ہے ؟
 مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے برجستہ جواب دیا کہ :
 اسلام کی نظر میں معاشی مسئلہ انسان کی زندگی کا مقصد نہیں ہے شریعت کسب حلال
 کو فریضۃ بعد الفریضۃ یعنی دوسرے درجہ کا فریضہ قرار دیتی ہے ۔ اس لحاظ سے دین کے
 نزدیک انسان کی معاشی ترقی پسندیدہ ہے ۔ کیونکہ معاشی وسائل بقا و زیست کے لیے انتہائی
 ضروری ہیں ۔ مادی معاشیات اور اسلامی طرز معیشت میں یہی نمایاں فرق ہے کہ وسائل معاش
 لازمی اور ضروری سہی لیکن مقصد حیات نہیں بلکہ مقصد زندگی کی تحصیل میں راہگزرا کا کام دیتے ہیں
 اور اعلیٰ تر مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہیں ۔

جب تک اسباب معیشت منزل مقصود تک پہنچنے کا وسیلہ بنے رہیں تو اسلام کی
 نگاہ میں تجارت، فضل اللہ، اموال، خیر اور التی جعل اللہ لکم قیاماً بنے رہتے ہیں ۔ اسی
 طرح خوراک کو الطیبات من الرزق لباس کو زینۃ اللہ اور رہائش کو سكن ایسے

روحانی اثرات کے حامل اسماء سے موسوم کیا جاتا ہے اور اگر فتنائے مقصود کی تکمیل کے لیے ان ہی مراحل میں الجھ کر رہ جائے تو پھر یہی معاشی وسائل متاع الغرور۔ دنیا۔ عدو۔ اور فتنہ۔ بن جاتے ہیں۔

غرض یہ کہ شریعت انسانی زندگی کی بقا کے لیے معیشت کے انتظام و انصرام کو غیر معمولی اہمیت دیتی ہے لیکن اس کے باوجود اسے مقصد حیات نہیں سمجھتی۔ جیسا کہ رب العالمین کا فرمان ہے :

(جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو زمین میں روزی کی تلاش کے لیے پھیل جاؤ۔ القرآن) اس آیت کریمہ سے ظاہر ہے کہ زندگی کے اعلیٰ مقاصد کو معاشی مسئلہ پر فوقیت دینی حاصل ہے، لیکن معاشی مسئلہ کی اہمیت اپنی جگہ مسئلہ ہے۔

ایک مرتبہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک محتاج صحابی آئے۔ آپ نے انہیں کھانسی دہی اور حکم دیا کہ جاؤ اور جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر بیچو۔ اس حدیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ انسان کی روٹی کا مسئلہ کس قدر ضروری ہے اور اسلامی نظام حیات میں رہبانیت کی نفی معاشی مسئلے کو مد نظر رکھ کر ہی کی گئی ہے۔

آپ کے سوال کے جواب میں ایک اور بات کہ دوں وہ یہ کہ اسلام کا مشہور قاعدہ اور مسئلہ اصول ہے کہ اگر کوئی فرض یا واجب کسی امر پر موقوف ہو تو وہ امر بھی فرض واجب ہو جاتا ہے۔ مثلاً نماز فرض ہے تو اس کے ساتھ وضو بھی فرض ہے اور اگر پانی کا کوئی انتظام نہیں تو ڈول کے ذریعے کنوئیں سے پانی نکالنا بھی فرض ہوگا۔ یہی حال اسلامی احکام کی پیروی اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے جہاد کا ہے۔ اگر سامانِ معیشت اور راشن کے بغیر یہ فرض ادا نہیں کیا جاسکتا تو ان کامیاب کرنا بھی اسی طرح فرض ہو جاتا ہے

بہر حال معیشت اور اسلام کے دوسرے احکام میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔

معاشی مسئلہ کا مقام

میں نے فوراً ہی دوسرا سوال کر ڈالا کیا معاشی مسئلہ ہی تمام گناہوں اور جرائم کی جڑ ہے؟
مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی فرمانے لگے کہ :

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مغلسی کفر تک پہنچا دیتی ہے" اس
سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کافی حد تک جرائم معاشی بد حالی کے سبب پیدا ہوتے ہیں۔ آج اگر
غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ قوم میں جتنی برائیاں پھیلی ہیں ان کا سبب یا تو معیشت کی تنگی
ہے یا حاصل شدہ ذرائع معیشت پر قناعت نہ کرنے کا نتیجہ ہے اور کیا آپ نے سٹم کے
انتخابات میں دیکھ نہ لیا کہ معاشی بد حالی سے دوچار قوم نے روٹی، کپڑا اور مکان کے نعروں کو
ووٹ دیے اور بعض افراد تو دہریت تک جا پہنچے۔ اس لیے اسلام کے نزدیک ذمہ دار افراد
یا والی ریاست کا یہ اولین فرض ہے کہ وہ خاندان یا ملک کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کے
لیے پوری پوری توجہ مبذول کرے۔ کیونکہ موجودہ زمانے میں ہزاروں لوگ محض روٹی کمانے کے
لیے جھوٹ بولتے ہیں۔ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں فریب سے کام لیتے ہیں۔ دھوکہ دیتے ہیں۔
رشوت کھاتے ہیں۔ سود کھاتے ہیں۔ ناپ تول میں کمی کرتے ہیں۔ ڈاکے ڈالتے ہیں اور چوری
کرتے ہیں۔ ٹوٹ کھسوٹ پر اُن کا گزارہ ہوتا ہے اور جیب تراشی اختیار کر کے اپنا پیٹ پالتے
ہیں ان حقائق و واقعات کے پیش نظر ہر انسان کا صحیح طریقے سے معاشی لحاظ سے مطمئن ہونا ضروری
ہے۔ اسی لیے تو اس زمانے کو عصرِ معیشت کہا جاتا ہے۔

محنت اور سرمائے کی بحث

تیسرا سوال تھا کیا شریعت محنت کو سرمائے پر ترجیح دیتی ہے؟ سوال خاصا مشکل تھا۔ لیکن
اس کے جواب میں مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی بلا توقف یوں گویا ہوئے بحقیقت یہ ہے

کہ محنت اور سرمائے کا سوال صنعتی عروج کے زمانے کا پیدا کردہ ہے اور یہ جنگ مفراط سرمایہ داری اور آزاد طرز معیشت کے سبب ہوئی۔ جب سے بڑی بڑی مشینیں ایجاد ہوئیں اور بڑے بڑے کارخانے نصب ہوئے اسی وقت سے تمام پیشوں پر خطرناک اثر پڑا اور پیشہ ور بے کار ہو کر ان ہی کارخانوں میں مزدوری کے لیے مجبور ہو گئے۔ اب ان کی محنت سے مالک کے اور کارخانے بنتے گئے اور اسے کروڑ پتی اور ارب پتی بناتے گئے۔ اس صورت حال کے پیش نظر مزدوریہ سوچنے پر مجبور ہوا کہ محنت تو رات دن ہم کرتے ہیں اور کروڑ پتی مالک بنتے جاتے ہیں اور یہ بھی سمجھنے لگے کہ یہ کروڑوں پٹے جو مالک کو ملتے ہیں۔ ہماری محنت اور مزدور کی کمائی ہے۔ اس لیے مزدور احساس کمتری سے نکل کر اپنی بہبود کے لیے مطالبات کرنے لگے اور یوں دنیا میں محنت اور سرمائے کی جنگ شروع ہوئی۔ کیپیٹلزم نے سرمائے کی جو تعریف کی ہے اور اس تعریف کی بنیاد پر ہی اپنی معیشت کو استوار کیا ہے۔ دراصل بنیادی غلطی یہی ہے جہاں سے سوشلزم نے ایک دوسری انتہا اختیار کی اور کہا کہ سرمایہ کوئی شے نہیں۔ محنت ہی سب کچھ ہے۔

لیکن اسلام کیپیٹلزم اور سوشلزم کی افراط و تفریط کی ان دونوں راہوں سے ہٹ کر محنت اور سرمائے میں حسین امتزاج پیدا کرتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ سرمائے کی یوں تعریف کرتا ہے کہ وہ پیداوار کے وسائل جن کا عمل پیداوار میں اس وقت تک استعمال نہیں ہو سکتا جب تک ان کو صرف نہ کیا جائے۔ یا ان کی شکل و شباہت میں تبدیلی نہ لائی جائے۔ مثلاً نقد روپیہ یا اشیائے خوردنی وغیرہ اور انسان کی جسمانی اور دماغی کوشش کو محنت کا نام دیا ہے۔

اگر سرمائے اور محنت کی ان شرعی تعریفوں پر معاشی نظام ترتیب دیا جاتا تو کبھی بھی یہ کش مکش پیدا نہ ہوتی۔ اس لحاظ سے محنت اور سرمائے کی دو الگ الگ انتہا پسندانہ راہیں اختیار نہ کی جاتیں۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ اگر صرف سرمایہ ہو اور محنت نہ ہو تو سرمایہ ختم ہو سکتا ہے اور اگر سرمایہ نہ ہو تو محنت لگاتار جاری رہتی ہے اور معاشی نظام بحسن و خوبی چلتا رہتا ہے اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ محنت کا مقام اونچا ہے۔

معاشی تفاوت

اب چوتھا سوال تھا کہ کیا اللہ تعالیٰ خود معاشی طور پر طے پیدا کرتا ہے ؟

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے جواب دیتے ہوئے فرمایا :

مشرق سے مغرب تک نگاہ ڈال لیجیے یا شمال سے جنوب تک دیکھ لیجیے۔ یورپ اور
افریقہ میں نکل جائیے یا ایشیا کا مشاہدہ کر لیجیے۔ کیپیٹلزم کے علمبردار ممالک کا مطالعہ کر لیجیے یا سوشلسٹ
مملکتوں کا دورہ کر دیکھیے۔ اسلامی دُور کا جائزہ لے لیجیے یا دنیا کے کسی اور ملک میں چل پھر کر تجربہ
کر لیجیے ہر جگہ تمام انسانوں میں قدرتی طور پر جسمانی اور ذہنی و دماغی لحاظ سے صلاحیت کا میں فرق
پایا جاتا ہے۔ جس کے لازمی نتیجہ میں معاشی طور پر تفاوت پیدا ہوتا ہے اس کے علاوہ اور بھی عوامل
معیشت میں تفاوت پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً طوفان، سیلاب اور بیماری وغیرہ فصلوں کو تباہ
برباد کر دیتے ہیں۔ جغرافیائی طور پر بھی کہیں وسائل پیداوار زیادہ میسر ہیں کہیں کم ہیں کہیں زمینیں شہری
ہیں اور کہیں بارانی اور دنیا میں برائے بھی افراد ہیں جو کمانے کے قابل ہی نہیں اور بعض کمانے کے
قابل ہی نہیں رہتے اور یہ ایسے حقائق ہیں کہ جھٹلاتے نہیں جاسکتے اور اس کو رب العالمین نے
فصل بعضکم علی بعض فی الرزق یعنی اللہ تعالیٰ نے رزق میں بعض کو بعض پر فضیلت دی
ہے۔ سے تعبیر کیا ہے اس لیے اس قدرتی طبقاتی اختلاف سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی یہ
کہا جاسکتا ہے کہ یہ فطری تفاوت خالق کائنات کے ارادے اور مشیت کے بغیر ہوا ہے۔ بلکہ
دنیا کے نظام کو چلانے کے لیے یہ لازمی امر تھا اور دنیا کے تمام حوادث و واقعات اس کی
حکمت و مصلحت کے مظاہر ہیں۔ ذرا اور گہری نظر سے دیکھا جائے تو دنیا کی ہر چیز میں تفاوت
پایا جاتا ہے اور جس نے بھی اس تفاوت کو مٹانے کی کوشش کی۔ اٹے پاؤں پھر آیا
اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن نشین کر لیجیے کہ اسلام نے اس قدرتی تفاوت کو آزاد نہیں
رہنے دیا کہ جس سے مفطر سرمایہ دارمی جنم لے اور نہ اتنا جبر کیا ہے کہ انسان محض گدھا بن کر رہ جائے

بلکہ اعتدال کی راہ اختیار کی ہے۔

گودش دولت کے طریقے

حضرت! پانچواں سوال ہے دین میں دولت کی گودش کے کیا طریقے ہیں؟

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے فرمایا :

قرآن کریم کی سورہ شوریٰ ہے کیدا یكون دولة بین الاغنیاء منکم یعنی ہم نے

تقسیم دولت کا قانون اس لیے بنایا کہ دولت صرف سرمایہ داروں میں ہی محصور ہو کر نہ رہ جائے

اللہ تعالیٰ دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے نحن قسمنا بینہم عیشتم

فی الحیوة الدنیا و دفعنا بعضهم فوق بعض درجات یأخذ بعضهم بعضا

سخریات اسلام نے یہ اصولی بات کر کے گودش دولت کے طریقے بتائے۔ سب سے

پہلے تو عاملین پیدائش کے لئے اس طرح تقسیم کیا کہ سرمایہ داری اور سوشلزم کی دولت

کے لئے عاملین پیدائش کے مشترکہ عمل سے جو پیداوار حاصل ہوئی اس کو اس طرح تقسیم کیا

کہ محنت کو شکل اجرت، سرمائے کو سود نہیں، منافع کی صورت میں زمین کو کرایہ کی شکل

میں دی۔ پھر اس کو مزید پھیلانے کے لیے اسلام نے اپنا ایک اور اصول بیان کیا ہے کہ :

فی أموالهم حق معلوم للسائل والمعدوم یعطى المسلمان کے مال میں غریب کا حق

متعین ہے وہ اگر انھیں دیتے ہیں تو احسان نہیں کرتے بلکہ اپنا فرض ادا کرتے ہیں۔

اسی طریقے سے وراثت، زکوٰۃ، عقر، صدقات، کفارات، نفقات، جزیہ

خراج اور صدقۃ الفطر وغیرہ گودش دولت کے ثانوی مذاات ہیں جنہیں قرآن کریم جگہ بہ جگہ

بیان کرتا ہے۔ رہی سہی کسر اسلام پر فی چشموں، پہاڑی جنگلوں اور چراگاہوں کو تمام مخلوق کا

مشترکہ سرمایہ قرار دے کر دی کرتا ہے اور اس کے ساتھ ہی معادن، پانی کا شکار، پانی، خورد و

پیداوار اور غیر ملکاتہ بنجر زمین کو وقف عام قرار دیتا ہے۔

اسلامی طرز معیشت کے ان اصول و ضوابط کے تحت دولت بالکل اسی طرح گردش کرتی ہے۔ جیسے انسان کی رگوں میں خون گردش کرتا ہے۔ خلفائے راشدین اور مابعد کے ادوار اس حقیقت کی شہادت دے رہے ہیں۔

روزی کمانے کے ذرائع

اسلام نے روزی کمانے کے کن کن ذرائع سے روکا ہے؟ یہ چھٹا سوال تھا مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی :

اسلام نے سود، رشوت، چوری، ڈاکہ، خصب، دھوکہ دہی، ذخیرہ اندوزی، فحاشی و عریانی پھیلانے والے ذرائع، قحبہ گری، عصمت فروشی، شراب کی صنعت، اس کی بیع اور حمل و نقل۔ منشیات، جوا اور وہ تمام طریقے جن کی وجہ سے ایک فرد کا مال دوسرے کی طرف اتفاقاً منتقل ہو جائے۔ مثلاً سٹہ بازی، انشورنش کمپنیاں، انعامی بانڈز، معمر بازی بت فروشی، بت گری، ناپ تول میں کمی کر کے، مال تقیم میں بے جا تصرف کر کے اور ملک و قوم سے غداری کر کے ان کے علاوہ اسلام نے روزی کمانے کے لیے ایسے کاروبار کی ممانعت کی ہے جس میں باہمی رضا مندی نہ ہو۔

آپ ذرا اپنے ہی ملک کا عمیق مطالعہ کر کے دیکھیے اور بتائیے کہ کیا متذکرہ ذرائع پر پابندی لگا دینے سے معاشی توازن برقرار نہ رہ سکے گا؟ اور کیا اخلاقی گراؤٹ کا سدباب نہ ہو جائے گا؟ ہر سلیم العقل اس کا جواب اثبات میں دے گا۔

جائز ذرائع معیشت

ساتواں سوال ہے : اسلام نے کن کن ذرائع سے کمانے کی اجازت دی ہے؟ مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے فوراً ہی فرمایا : شریعت نے روزی کمانے

کے لیے تجارت، کاشتکاری، جسمانی و دماغی محنت، صنعت کاری، باغبانی، دستکاری، ٹرانسپورٹ، باربرداری، جانوروں، مرغیوں اور شہد کی مکھیوں کا پالنا اور اس کے علاوہ ایسے تمام ذرائع سے روزی کمانے کی اجازت دی ہے جن میں کسی قسم کی کوئی شرعی قباحت نہ پائی جاتے۔

تجارت سے متعلق سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”میری امت کی روزی ۹۰ حصے تجارت میں ہے۔ اور فرمایا کہ صادق اور دیانت دار تاجر قیامت کے دن عرش کے ساتھ تلے ہوگا۔ ہاتھ کی کمانی سے متعلق بھی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بہترین کمانی کسبِ ید ہے۔“

علاوہ ازیں اور بہت سے جائز ذرائع معیشت ہیں جن کا علیحدہ علیحدہ ذکر کرنا طوالت اختیار کر جاتے گا۔

حکومت کا فریضہ

کیا آپ کے خیال میں افراد مملکت کے لیے بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی حکومت کا فریضہ نہیں ہے؟

مولانا غلام غوث صاحب ہنر لکھی بولے :

عزیزم! سب سے پہلے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ بنیادی ضروریات زندگی سے کیا مراد ہے۔ تو اس سلسلے میں عرض یہ کہ ایسی اشیاء خدمات جن پر انسانی زندگی کی بقا اور نشوونما کا انحصار ہوتا ہے۔ اب لیجیے اپنے سوال کا جواب: ”بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی ایسا مسئلہ نہیں کہ حکومت اس کی طرف بالکل ہی توجہ نہ دے اور نہ ہی اتنا اہم ہے کہ ہماری ساری کی ساری کوششوں کا مقصد بن جائے۔ بلکہ مقصود زندگی کیلئے راہگز کا کام دے اور آپ نہ جانتے ہیں کہ منزل تک پہنچنے کے لیے اس کے راستوں سے گزرنا ناگزیر ہوتا ہے۔ تو اس لیے بنیادی ضروریات

زندگی بہم پہنچانا اسلامی حکومت کا بنیادی فریضہ ہے۔ جیسا کہ محسن الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”ہر آدم زاد کا یہ حق ہے کہ اُسے رہنے کے لیے مکان، تن ڈھانکنے کے لیے کپڑا پیٹ بھرنے کے لیے روٹی اور پینے کے لیے پانی میسر آئے۔“ (ترمذی) آپ ہی کے فرمان کے مطابق اسلام کے پہلے خلیفہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”خدا کی قسم! خلافت مجھے خدمت خلق سے کبھی باز نہ رکھ سکے گی، اسی طرح خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروقؓ نے یہ حکم صادر فرمایا کہ ہر نو مولود بچہ کی صحت، تندرستی و توانائی اور ہوش و حواس سنبھالنے تک اسلامی حکومت کے خزانے سے وظیفہ ادا کیا جائے۔ جس میں دودھ، خوراک اور علاج متعاجر سمیچ کچھ داخل ہے۔“ (الامامة والسياسة) حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت امیر معاویہؓ اور ابعد تک یہی سلسلہ جاری رہا۔

اسلام نے بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی کی ذمہ داری و راصل خلافت پر ڈالی ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک سے واضح ہوتا ہے: ”حضرت سلمانؓ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ خلیفہ اُسے کہتے ہیں جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرے اور رعایا پر اس طرح شفقت کرے جس طرح اپنے اہل و عیال پر شفقت کرتا ہے۔ یہ سُن کر کعبُ الاحبارؓ نے فرمایا: ”سچ کہا۔“ تو معلوم ہوا کہ عوام کے لیے اسبابِ معیشت مہیا کرنا اور ضروریاتِ زندگی بہم پہنچانا اسلامی حکومت کا فریضہ ہے۔

جذبہ محرکہ

یہ ہمارا آٹھواں سوال تھا کہ ایک آدمی اپنی کمائی میں سے غریب کو کیوں دے؟ مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے فرمایا کہ تمہارے اس سوال کا جواب تفصیل طلب ہے۔

وہ یوں کہ بنیادی عقائد کے بدل جانے سے انسان کا زاویہ نگاہ بدل جاتا ہے اور اس کے

انداز فکر اور نقطہ نظر کی سازی عمارت عقائد کی بنیادوں پر تعمیر ہوتی ہے۔ اسی حقیقت کو مد نظر رکھ کر سراج منیر صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک کرن نے ہوا اول و ہوا اخیر اور ہوا الظاہر و ہوا الباطن کی ضیا پاشی کر کے کائنات کی ابتدا سے متعلق میکا کی تصور کائنات کی فلسفیانہ موشگافیوں کو یکسر ختم کر دیا اور پھر وما خلقنا السماء والارض وما بينهما باطلا کا روح افزا پیغام دے کر مادیتین کی اس تحقیق کی تغلیط کر دی کہ ”سلسلہ کائنات یونہی چل رہا ہے اور اس کا کوئی مقصد نہیں ہے“ بلکہ خلق اللہ السموات والارض بالحق فرما کر واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمانوں کو بامقصد پیدا کیا ہے اور ان فی ذالک لایۃ للمؤمنین ”ان میں حقائق پر یقین رکھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں“ دراصل اسلام سلسلہ کائنات کو بامقصد ثابت کر کے انسانی قافلہ کا رخ اس طرف موڑ دینا چاہتا ہے کہ انسان بھی اسی کائنات کا جزو ہونے کے باعث بامراد زندگی بسر کر رہا ہے اور حیات بعد الموت میں اس زندگی میں گزارے ہوئے ایک ایک لمحے کی باز پرس ہوگی تو اس طرح انسان ”مادر پدر آزاد“ زندگی بسر کرنے کی بجائے مستقل اقدار کے مطابق عمل کرے گا جس کے لازمی نتیجہ میں وہ — ان الدین عند اللہ الاسلام کی روشنی لے کر مستقل اور غیر تبدیل قوانین کے مطابق زندگی بسر کرے گا، ایک متمدن و رپاکیزہ معاشرہ تشکیل ہوگا کیونکہ اسے یہ یقین ہوگا کہ میں نے مرنے کے بعد اس کائنات کی خالق اور پالناہرستی کے سامنے جواب دہ ہونا ہے۔ پھر ہر انسان جلوت تو جلوت، خلوت میں بھی گناہوں، بد اعمالیوں اور جرائم سے احتراز کرے گا کیونکہ وہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کے یہ ارشادات بھی پڑے گا الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء بناء ہم نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا اور آسمان کو چھت۔ نیز خلق لکم ما فی الارض جمیعا جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب تمہارے لیے پیدا کیا۔ پھر وجعلنا لکم فیہا معاش ومن لستم لہ برازقین ○ اس میں ہم نے تمہاری معیشت کا انتظام کیا۔ ان اصولی باتوں کے بعد اپنی اس دین کو یوں بیان فرمایا ”افرنیتم ما تحرتون ○ انتم تزرعونہ“

امحون الزارعون ۵۔ کھوٹوسی جو تم کاشت کرتے ہو اسے تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں۔
 اسی طرح ذرہ یسین میں فرمایا : اولم یذروا انا خلقنا لهم مما عملت ایدیہنا
 انعام ۱۰۔ ہمارا مال کون کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے ان کے لیے جانوروں کو اپنے
 سے بنا کر پیدا کیا پھر وہ اس کے مالک بن گئے۔

ان آیات سے یہ مضمون سمجھ میں آتا ہے کہ ساری کائنات کا مالک اللہ ہے اور اس نے
 اپنی ملکیت کو انسان کی بقائے زیست کے لیے مالک بنا دیا اور پالنے والے ساتھ ہی یہ قید بھی
 لگا دی کہ : اتوهم من مال اللہ الذی اتاکم انہیں (مستحقین) اس مال میں سے دو جو
 اللہ نے تمہیں دیا ہے۔ کیونکہ مالک کسی کو کسی چیز کا مالک بناتے وقت پابندیاں لگا سکتا ہے
 اور یہ اس کا حق ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر کم فواری کون کر سکتا ہے جو اپنی ہی ملکیت سے متعلق یہ
 فرمادے کہ وابتغ فیما ائتک اللہ الدار الاخرۃ ولا تغش نصیبک من الدنیا و
 احسن کہا احسن اللہ الیک ولا تبغ الفساد فی الارض جو تجھ کو اللہ نے دیا ہے اس سے
 آخرت کا توشہ کمالے۔ اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول اور بھلائی کر جیسے اللہ نے تجھ سے بھلائی کی
 اور ملک میں خرابی مت ڈالنی چاہ۔

اور قوم شعیب علیہ السلام کی طرح "مال اللہ" کو "اموالنا" سمجھ کر اپنی منشا کے مطابق
 تصرف نہ کر۔ وہ یہی تو کہتے تھے کہ : اصلوتک تاملات ف نترك ما یعبدا باؤنا وان
 نفعل فی اموالنا ما نشاؤا کیا تمہاری نماز تمہیں اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ
 دادا کے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ اپنے مالوں میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنا ترک
 کر دیں۔

حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اللہ تعالیٰ جگہ بہ جگہ فرماتا ہے کہ انسان تو
 صرف زمین میں بیج ڈال آتا ہے پھر اس کی ٹہلیں کون نکالتا ہے، اس کے لیے ہواؤں کا انتظام کون
 کرتا ہے اور اسے سورج کی گرمی دے کر پکاتا کون ہے۔ ایک دانے سے ستر دانے کون پیدا کرے

دیتا ہے۔ اگر وہ طوفان، سیلاب یا بیماری سے تباہ کر دے تو تمہاری ساری محنت دھری کی دھری رہ جاتے۔

اس لیے فرمایا **اتوا حقا یوم حصادہ**۔ اس کے کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو۔ اسی طرح جو اموال تمہارے پاس ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **فی أموالهم حق للساہل والمحدوم** اور جو اشخاص ایسا نہیں کرتے ان کے لیے قرآن کریم کا ارشاد ہے **والذین یکفزون الذهب والفضة ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ فبشرهم بعذاب الیم** یوم یحییٰ علیہا فی نار جہنم فتکوی بہا حیاءم وحبوبہم وظہورہم **ہذا ما کفرتکم لانفسکم فذوقوا ما کفرتکم فذوقون** جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں آپ دروزاک عذاب کی خبر دے دیجیے کہ جس دن اس دولت کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا۔ پھر اس سے ان کی پیشانیوں، پیلووں اور پشتوں کو داغاً جائے گا جو انہوں نے اپنے لیے جمع کیا تھا اب اس کا مزہ چکھو جسے تم جمع کیا کرتے تھے۔

قرآن کریم میں ایک دوسرے مقام پر کچھ اس طرح فرمایا ہے کہ ایسے لوگ قیامت کے دن بارگاہ رب العزت میں کھٹ افسوس مل کر کہہ رہے ہوں گے کہ اے اللہ ہمیں دنیا میں لوٹا دے تاکہ ہم تیرے احکام کی پیروی کریں۔ لیکن ان کی ایک نہ چل سکے گی اور ان کا آخری ٹھکانہ جہنم ہی ہے۔ اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

خلاصہ یہ کہ ساری اشیاء کا مالک — خالق کائنات ہے اس نے دنیا میں ان تمام چیزوں کو انسان کی ملکیت قرار دیا پھر اس پر کچھ تو پابندیاں لگا دیں اور اس میں کچھ مستحقین کے لیے حقوق متعین کر دیے اور فرمایا کہ اگر تم میرے مال کو میری منشا کے مطابق خرچ کرو گے تو باوجود اس کے کہ مال بھی تم میرے راستے میں میرا ہی خرچ کرو گے لیکن اس کا توشہ بھی تمہیں آخرت میں دوں گا اور ایک ایک کے ستر ستر دوں گا اور اگر تم نے مال اللہ کو قوم شعیب علیہ السلام کی طرح

”اموالنا“ سمجھا تو تمہیں جہنم کی آگ میں پھینک دیا جائے گا اور اس میں تم ہمیشہ ہمیشہ جلا کر دے گے۔ اسلام انسان میں اس جذبہ محرکہ کو پیدا کر کے ایک شخص کی ضرورت سے زائد دولت کو ضروریات زندگی سے محروم افراد تک پہنچا دیتا ہے اور تحریریں کے فطری جذبہ کو بھی ساتھ ساتھ لے کر چلتا ہے اس لیے کہ فطرت کو کچلا نہیں جاسکتا۔ ہاں اس کا رخ بدلا جاسکتا ہے اور اسلام نے ایسا ہی کیا ہے۔ اس کے برعکس جس دستور حیات میں فطرت کو کچلنے کی کوشش کی گئی وہ انجام کار اسی مقام کی طرف لوٹ آیا جہاں سے اس کی ابتداء ہوتی تھی اسی طرح جس نظام زندگی میں تحریریں کے فطری مادہ کو آزاد اور بے لگام چھوڑ دیا گیا وہاں انسانی برادری طبقات میں منقسم ہو کر رہ گئی اور معاشی توازن برقرار نہیں رہ سکا۔ امیر۔ امیر سے امیر ہوتا چلا گیا اور غریب۔ غریب سے غریب ہوتا چلا گیا لیکن اسلام نے اعتدال کی راہ اختیار کی ہے۔ نہ تو اس نے سوشلزم کی طرح انسان کے فطری جذبہ تحریریں کو کچلنے کی کوشش کی ہے اور نہ ہی کیپٹلزم کی طرح غلط رخ پر ڈال دیا ہے جس کے لازمی نتیجہ میں جبر سے کام لینا پڑتا ہے نہ طبقاتی کش مکش جنم لیتی ہے مشرک کلاب کی شگفتہ پنکھڑیوں کی طرح اس خوش اسلوبی سے ترتیب پاتا ہے کہ اس کا ہر فرد

خوش حال زندگی بسر کرتا ہے

انفاق فی سبیل اللہ

اگلا سوال تھا کہ **وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۖ قُلِ الْعَفْوَ كَالْيَدِ يَسْأَلُكَ**

بالتفصیل بیان فرمائیے

آپ نے جو یہ سوال کیا ہے اس کو کیونست لوگ جو کسی دین سماوی کے قائل نہیں ہیں مسلمانوں کو تنگ کرنے کے لیے پیش کیا کرتے ہیں۔ پوری آیت یہ ہے ”اور یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں۔ آپ فرمادیجئے جو ضرورت سے زائد ہو۔ اسی طرح بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے احکام تاکہ تم دنیا و آخرت میں فکر کرو“ آیت کے

لفظی ترجمہ سے ظاہر ہے۔ باقی اس کی تفسیر صحابہ کرامؓ کے عمل سے ہی ہو سکتی ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ اپنی ضرورت سے زائد ایک پیسہ بھی نہیں رکھا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی بزرگ یہ عمل اختیار کرے تو یہ قابل تحسین ہوگا۔ مگر قرآن پاک کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے اس مضمون کو اس آیت کریمہ میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ہر شخص اپنے حالات و ضروریات کے مطابق اس پر عمل کر سکے۔

ایک شخص حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متذکرہ اصول پر بھی عمل کر سکتا ہے۔ ایک شخص اپنی ضروریات کو زیادہ وسیع سمجھ کر کم خرچ کر سکتا ہے لیکن ولا تبذروا ما آتاكم من فضول ان المبذرين كانوا اخوان الشیطنین اور مال کو فضولیات میں نہ اڑا بے شک فضولیات میں اڑا دینے والے شیطانوں کے بھائی بنے ہوتے ہیں۔ دوسرے مقام پر یوں آتا ہے :

كلوا واشربوا ولا تسرفوا ان لا یحب المفسرفین ④

کھاؤ اور پیتو، لیکن اسراف سے کام نہ لو۔ بے شک وہ مفسرفین کو پسند نہیں کرتا۔ تیسرا آدمی اپنی اور بال بچوں کی رہائش کے ساتھ تعلیم و پوشاک اور ضروریات زندگی کو پیش نظر رکھ کر زائد حصہ ضرورت مندوں کو دے سکتا ہے۔ ایک شخص زکوٰۃ اور صدقات واجبہ ادا کرنے کے بعد شرعی گنجائش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے زائد جائیداد بنا سکتا ہے اور ضرورت کے وقت جہاد وغیرہ کے لیے قربانی کر سکتا ہے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار سال کے اخراجات امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لیے مہیا فرما دیے تھے۔ اسلامی احکام مثلاً زکوٰۃ دینا، مویشی رکھنا اور تجارت کے لیے رقم جمع کرنا وغیرہ سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ آیت کریمہ کے وقت نزول سے لے کر آج تک صلحاء اور زعماء و علماء دین کا متواتر عمل بھی یہی تفسیر سکھاتا ہے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوہ تبوک کے لیے اتفاق فی سبیل اللہ کی اپیل فرمانے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تین سولہ لداے

اُونٹ پیش کرنے اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پیش بہائی قربانیوں سے بھی یہی حقیقت ثابت ہوتی ہے۔ بہر حال سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو جائز طریقے سے کمائے ہوئے مال کو اپنے پاس رکھنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غزوہ تبوک کے بعد جب ان کی معافی کے لیے آیت توبہ نازل ہوئی تو انہوں نے اسکی خوشی میں اپنی ساری جائیداد اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے کے لیے پیش کی مگر آپ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ یہ بھی ثابت ہے کہ خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گھر کا سارا اثاثہ اور سارا مال غزوہ تبوک کے چندے کے سلسلے میں پیش کر دیا تھا۔ یہ سارے اعمال آیت کریمہ کے تحت جائز ہیں۔

ہر شخص کو اپنی حاجات و ضروریات کا خیال رکھنے اور اندازہ لگانے کا حق حاصل ہے اب آیت کریمہ کا ترجمہ پھر پڑھو۔ جس میں فرمایا گیا۔ تاکہ تم دنیا و آخرت میں فکر کرو۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جہاں آخرت کے کام ضروری ہیں وہاں دنیا کے حوائج سے بھی چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔

ہر شخص اپنی موجودہ زندگی اور آخرت کے نفع و نقصان پر غور کر کے اپنی عقل کے مطابق اپنی ضروریات سے زیادہ خرچ کرنے کا منکلف ہے۔ لوگوں کے احساسات، جذبات اور عشق و محبت کے مدارج مختلف ہوتے ہیں۔ صدقات واجبہ اور دیگر اموال فی الحقوق ادا کرنے کے بعد وہ خود اپنے دل سے پوچھ سکتا ہے

اس تفسیر سے ظاہر ہوا کہ کیونست قسم کے ”مہربان“ مسلمانوں کو قرآن فہمی کے سلسلے میں جو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں وہ غلط ہے۔ خود تو اپنا سارا کچھ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے بلکہ اپنی زندگی کو زیادہ بہتر بنانے کے لیے انہوں نے خود ساختہ ڈھنگ اختیار کر رکھا ہے کہ سب کچھ حکومت لے کر مصنوعی مساوات قائم کر دے۔ اس کا نام سوشلزم رکھا جو فطرت کے خلاف ہے اور جس میں آئے دن وہ خود ترمیمیں کرتے رہتے پر مجبور رہیں

تنگ معیشت کی وجہ

ومن اعرض عن ذکرى فان لم معیشتہ ضنکا ونحشہ
یوم القیامۃ اعلیٰ اس آیت مقدسہ کے تحت چاہیے تو یہ تھا کہ کافروں کی
معاشی حالت تنگ ہوتی اور مسلمانوں کی معیشت کشادہ ہوتی۔ لیکن معاملہ اس کے بالکل
برعکس ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ ہمارا آخری سوال تھا۔

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے فرمایا کہ اگر ایک شخص چوری کی بکری کا گوشت
سیر ہو کر کھالے اور دوسرا شخص اپنی محنت کی کھائی سے ایک ہی بوٹی کھا کر اللہ کا شکر ادا کرے
تو آپ خود ہی فیصلہ کر لیجیے کہ اول الذکر آدمی کی معاشی حالت اچھی ہے یا موخر الذکر کی؟ پہلا
شخص ملکی معیشت پر بوجھ ہے یا دوسرا؟

اسی طرح اگر ایک افسر رشوت کے ذریعے عمارت پر عمارت بناتا چلا جائے اور ان
پر ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشا یا ہذا من فضل ربی بھی لکھوائے
اور اس کے برعکس ایک مزدور معاشی توازن کو درہم برہم کرنے والے ذرائع سے مٹ کر اپنی
کھائی ہوئی دولت سے ایک سادہ سا مکان بنالے تو آپ ہی بتائیے کہ افسر ملک کی معیشت
پر بار ہے یا مزدور؟

علاوہ ازیں آسمانی تعلیمات کے منکر ہونے کے باوجود سوشلسٹوں نے سور، جوام
انشورنش کمپنیاں اور اسی قسم کے معاشی توازن میں بگاڑ پیدا کرنے والے ذرائع کو یکسر ختم کر دیا
کیونکہ انہیں بھی اس کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا جب کہ اسلام آج سے چودہ سو سال پہلے
امت مسلمہ کو یہ تمام قوانین دے چکا ہے۔ اگر کوئی فرد، کوئی قوم یا کوئی ملک محض مادی اعتبار
سے ہی اسلامی طرز معیشت کے مطابق کچھ نہ کچھ اپنی معیشت کو ڈھال لے تو اس کے لیے
آخرت میں تو کوئی حصہ نہ ہوگا، لیکن دنیا میں اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔

(یہ انسٹرویو ۹ اکتوبر ۱۹۷۲ء سے لینا شروع کیا اور تین دن کی گونا گوں مصروفیات کے باعث ۱۱ اکتوبر ۱۹۷۲ء کو مکمل ہوا۔ اس میں ملک کے بدلتے ہوئے حالات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور یہ انسٹرویو بھی زیر نظر کتاب کے لیے ہی لیا گیا ہے۔)

تاریخ ساز شخصیت

جمیۃ علماء اسلام کے رہنما مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کھلی کتاب کی طرح ہیں۔ عصری معلومات کا بے بہا ذخیرہ ہیں۔ حکمرانوں کے داؤ پیچ خوب سمجھتے ہیں۔ سیاسی تکتیوں کو چٹکیوں میں سلجھا دیتے ہیں۔ زمانے کی گردش پر بڑی گہری نظر رکھتے ہیں۔ وقت کے زیر و بم پر نگاہ رکھتے ہیں۔ آثار چڑھاؤ کو بھانپ جاتے ہیں اور یہ کوئی داستان سازی نہیں۔ بلکہ مانسہرہ سے راولپنڈی تک تین دن کی رفاقت کے تاثرات قلمبند کر رہے ہوں۔ اس دوران میں میں نے موصوف کو ہر زاویہ نگاہ سے دیکھا، ہر اعتبار سے پڑھا، ہر لحاظ سے پرکھا، ہر طرح جانچا، ہر رخ سے مشاہدہ کیا اور ہر میزان میں تولد۔ ایک جامع انسان نکلے۔

مسفر کے بعد مولانا مجھے اپنی قیام گاہ پر لے گئے اور مجھ ایسے گنگار کو ان کے ہاں مہمان بننے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کی مہمان نوازی کا یہ حال تھا کہ بچے جارہے تھے۔ آنکھیں فرش راہ بنی ہوئی تھیں۔ مجھے اس وقت عدم کا یہ شعور بار بار یاد آ رہا تھا۔

جہاں اگرچہ ہے پُر بے شمار لوگوں سے
یہ تجربہ ہے عدم کا ثبت قلیل ہیں لوگ

یہ تاریخ سنا شخصیت چھتر سال پہلے ۱۸۹۶ء میں بٹہ ضلع ہزارہ میں پیدا ہوئی۔ مڈل
 ٹیک تعلیم علاقہ کے سکول میں حاصل کی۔ ۱۹۱۲ء میں پانچویں جماعت کا امتحان پاس کیا
 اور اول آئے۔ تین سال تک وظیفہ لیتے رہے۔ ۱۹۱۴ء میں مڈل پاس کیا تو انسپکٹر تعلیمات
 نے آپ کے والد محترم کو اس بات پر مجبور کیا کہ اپنے زمین اور لائق بیٹے کو پشاور کے کسی
 کالج میں داخل کرا دیں، لیکن انہوں نے ایک نہ مانی اور دینی تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند
 بھیج دیا۔

جب میں نے یہ کہا کہ اگر آپ کالج میں داخل ہو جاتے تو آج کسی بڑے عہدہ پر
 فائز ہوتے۔ فرمائیے گئے: ”مسلمان نہ ہوتا“ میں ایمان کی حفاظت کی قیمت کو تمام آسائش
 اور تعیشات سے اس قدر بہتر سمجھتا ہوں کہ ان دونوں چیزوں کے تقابل ہی سے میرا
 دل کانپتا ہے۔ بھلا ایمان کی دولت کی ریس ہو سکتی ہے؟

میں یہ باتیں بڑی ہوشیاری سے لکھ رہا تھا کہ کہیں مولانا ناراض نہ ہو جائیں
 کیونکہ اس سے پہلے میں کئی مرتبہ ان سے یہی باتیں پوچھنے کے لیے مختلف مقامات پر
 ملا۔ لیکن ہر بار یہی کہہ کر ٹالتے رہے کہ سوانح حیات تو بزرگوں اور بڑے لوگوں کی
 لکھی جاتی ہے۔

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ
 علیہ اور الشیخین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ایسی شخصیات کے سامنے زانوئے تلمذ کئے
 کیے ہیں اور انہی بزرگوں کی صحبت کا اثر ہے کہ ان میں ذاتی مسابقت کا جذبہ نام کو نہیں
 پایا جاتا۔

شمس القمر قاسمی



مفتاح

مکمل صوبائی خود مختاری

پہلا سوال : کیا یہ صحیح ہے کہ جمعیت مکمل صوبائی خود مختاری چاہتی ہے ؟

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کا فرمانا تھا کہ جمعیت علماء اسلام ہر معاملہ میں آسمانی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرتی ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صوبوں کے لیے عامل مقرر فرمائے۔ جنہیں اپنے صوبے میں قرآنی ہدایات کے مطابق نظم و نسق چلانے کا پورا پورا اختیار ہوتا تھا اور خلفاء راشدین کے مبارک دور میں بھی عمال کے توسط سے مرکز کا تمام صوبہ جات پر کنٹرول ہوتا تھا۔ البتہ گورنر اپنے صوبے کے تمام اندرونی معاملات اسلامی اصول و ضوابط کے مطابق چلایا کرتے تھے اور تمام صوبائی حکومتیں مرکز سے وابستہ ہوتی تھیں اور خارجہ دفاع اکرسی بین الصوبائی مواصلات اور بیرونی تجارت ایسے اہم محکمے مرکز کے پاس ہوتے تھے اور معاملات میں صوبوں کو خود مختاری حاصل ہوتی تھی اور ایسی کوئی بات نہ تھی کہ مرکز کو بے اختیار یا کمزور کر دیا جائے یا اس کا کوئی حکم صوبوں میں نہ چلنے دیا جائے۔ بلکہ انہیں مرکز کی طرف سے جو اختیارات سپرد کیے جاتے وہ ان کو دیانت داری کے ساتھ جاری کرنے

میں آزاد ہوتے تھے۔

معلوم ہوا کہ اسلام میں اختیارات کا سرشتیہ مرکزی حکومت ہوتی ہے۔ بشرطیکہ وہ شرعی احکام کے مطابق ملکی نظم و نسق چلاتی ہو اور صوبائی معاملات میں مداخلت کر کے کام میں روڑے اٹکاتے۔ اسی طرح صوبہ جات اور مرکز میں باہمی تعاون اور اعتماد قائم ہوگا۔

ہم اس بات کے صدق دل سے قائل ہیں کہ اسلام میں اختیارات کی تقسیم اوپر سے نیچے کو ہوتی ہے، لیکن اگر مرکز ہی صوبوں کے ساتھ اچھا سلوک روا رکھنے کی پالیسی پر گامزن نہ ہو اور صراطِ مستقیم سے ہٹ کر کوئی اور راہ اختیار کرے تو آپ خود ہی فیصلہ کر لیجیے کہ اس کے خلاف آواز اٹھانا، احتجاج کرنا اور کلمہ حق بلند کر کے افضل جہاد کا فریضہ ادا کرنے میں کونسی قباحت ہے؟ لیکن اس میں حکومت سے بغاوت کا جذبہ کارفرمانہ ہو۔ ہاں اگر حکومت اسلام کے دائرہ سے بالکل ہی نکل جاتے تو اس وقت اصلاحی کوشش نہیں بلکہ حکومت کو معزول کرنا ضروری ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان کسی مرتد کمیونسٹ یا منکر دین کی حکومت کو برداشت نہیں کرتا۔

لیکن اسلام کی پوری تاریخ میں یہ کہیں نظر نہیں آتا کہ صوبوں نے مرکز کے خلاف احتجاج کیا ہو۔؟

یہ ہمارا ضمنی سوال تھا۔

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے برجستہ جواب دیا کہ :

مرکز نے اپنی طرف سے کبھی یہاں تک نوبت ہی نہیں پہنچنے دی، لیکن آج کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ جس کی وجہ سے باہمی اعتماد و اتحاد ہوتا ہے، نہ عمل کرنے کے لیے کوئی متفقہ قانون ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی ایک ایسی شاہراہ متعین ہونے پاتی ہے کہ جس پر چل کر منزلِ مقصود تک پہنچا جائے۔

لندن پلان

دوسرا سوال تھا کہ لندن پلان کی کیا حقیقت ہے۔؟

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے فرمایا کہ : جہاں تک سرکاری اور غنیمت سرکاری اطلاعات کا تعلق ہے تو لندن پلان کی تصدیق نہیں ہو سکی بلکہ صدر مملکت نے اس سے اپنی لاعلمی کا اظہار بھی کیا ہے اور وزیر اطلاعات و نشریات نے ذرائع ابلاغ سے لندن پلان سے متعلق پروپیگنڈے کو بھی بند کر دیا ہے۔

البتہ غلام جیلانی نے تمام بیانات اور تردیدوں کے بعد لندن میں ایک بیان داغایا ہے اور وہ یہ کہ ”ہنگامہ دیش کو تسلیم کر لینے کے بعد مجیب کنفیڈریشن ماننے کے لیے تیار تھا“ اس بیان سے مجیب کے ساتھ کنفیڈریشن پر بات چیت کی کچھ ٹو آتی ہے۔ جس کی تہہ میں غیر مسلموں کے معاندانہ رویے کے اثرات اور دلچسپی، نیز غیر ملکی طاقتوں کی مداخلت دیکھ کر اس قسم کی کنفیڈریشن بنانا ہے جو کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں اور نہ ہی یہ اسلام کا حکم ہے اس کے برعکس اگر مسلم ممالک نیک نیتی کے ساتھ اپنی اسلامی قوت کو مضبوط کرنے کے لیے سید جمال الدین افغانی کے تصور کو عملی جامہ پہنائیں تو یہ خوش آئند اقدام ہوگا۔

اے ما آرزو کہ خاک شدہ

اختلاف کی نوعیت

مفتی صاحب اور آپ کے درمیان اختلافات کی کیا وجہ ہے ؟

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی پہلے تو مسکراتے اور پھر فرمانے لگے : میرے اور حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ العالی کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اخبارات مشورے کے دوران میں آنے والی آراء کو اختلافات کی خبریں بنا کر قوم کے سامنے

پیش کر رہے ہیں یہ میرے خیر خواہ ہیں نہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے، اور نہ ہی جمعیتہ علماء اسلام سے انہیں کوئی ہمدردی ہے۔

یوں اگر مطلقاً اختلاف رائے رکھنا غلط ہوتا تو مشورے کیوں کیے جاتے مجالس شوریٰ کا وجود نہ ہوتا، پارلیمنٹ میں بحث و تمحیث کے لیے کوئی فارمولا پیش نہ کیا جاتا، مثلاً حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی رائے یہ تھی کہ کسی شخص کا سرکاری عہدے پر فائز ہونے کے بعد کسی جماعت کا عہدیدار رہنا صحیح نہیں ہے اور میرے نزدیک اس بات میں کوئی بین الاقوامی یا شرعی قدغن نہیں تھی۔ اس اختلاف رائے کا ذکر اخبارات میں بھی آیا۔ اب آخر حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے میرے رائے کو قبول فرمایا ہے۔ اس طرح کی اور بہت سی باتیں ہو سکتی ہیں، لیکن یہ چیزیں بنیادی اسلامی مسائل کو حاصل کرنے یا اعلیٰ اقدار تک پہنچنے کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتیں اور ان کو اختلاف کا نام دینا بھی غلط ہے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ میں پشاور جا کر اکثر حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے ہاں ٹھہرتا ہوں۔ کبھی ایک دوسرے سے شکایت نہیں ہوتی۔

بلوچستان میں نیپ کی کستی

آخر نیپ پانچ نکاتی فارمولے پر عمل کیوں نہیں کر رہی ہے ؟
ان کا جواب تھا کہ یہ سوال آپ کو نیپ سے کرنا چاہیے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں نے نیپ کے ذمہ دار افراد سے کہا ہے کہ وہ ازراہ کرم پانچ نکاتی فارمولے کو برتنے کا لائن میں علماء بلوچستان کی مدد فرمائیں۔ سب جانتے ہیں کہ یہ چار پانچ ماہ کی تاخیر ملک کے اندر سیاسی الجھنوں اور غیر تسلی بخش حالات کی وجہ سے ہوئی ہے۔ میرے اس اخباری بیان کے بعد فوراً مجھے غوث بخش صاحب بزنس نے بلایا۔ لیکن میں بنوں کے دورے پر تھا۔ مجھے یقین ہے کہ نیشنل عوامی پارٹی بلوچستان کے مسلمانوں کے ذہن کے عین مطابق اسلامی نکات کو

صوبہ سرحد سے بھی پہلے بروئے کار لاتے گی۔

بھٹو، مودودی ملاقات

صدر بھٹو اور مودودی کی ملاقات سے متعلق آپ کا کیا خیال ہے ؟
فرمانے لگے کہ محترم ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کے صدر ہیں۔ وہ ہر طبقہ کے وفود سے ملے رہتے ہیں۔ صدر مملکت کے لیے سب سے بڑا، سب کی باتیں سننا اور ملک و ملت کے مفادات کی خاطر سوچنا بہت ضروری ہے۔

البتہ اس ملاقات کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ صدر محترم کی خواہش پر ہوئی ہے۔ محض مودودی پروپیگنڈا ہے۔ باقی جو ممالک امریکہ سے دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں یا اب جن کا زاویہ نگاہ روس سے امریکہ کی طرف مڑا جا رہا ہے۔ ان سے متعلق مودودی کی پالیسی پر نگاہ ڈال کر دیکھیں تو ملاقات کرنے میں مودودی ہی کی پہل ثابت ہوگی۔

احمدیہ سٹیٹ

آخری سوال سے پہلا سوال یہ تھا کہ کیا پنجاب کو احمدیہ سٹیٹ بنانے کی سازش کی جا رہی ہے ؟

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے یوں اظہار خیال فرمایا کہ : عرصہ سے پاکستان میں غلط کار قسم کے لوگ اور فرقے اپنے اقتدار کی ڈینگیں مارتے چلے آ رہے ہیں۔ مودودیوں نے بھی مارے پروپیگنڈے کے آسمان سر پر اٹھالیا تھا کہ ہماری حکومت ہونے والی ہے کیونست بھی اپنے اقتدار کا خواب دیکھ رہے تھے جو شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

اسی طرح مرتد و کافر میرزائی پہلے بلوچستان پر نگاہ رکھے ہوتے تھے۔ اس کے بعد ربوہ کے مبلغین کی زبانی یہاں تک سنا گیا کہ سارے ملک پر ان کی حکومت ہونے والی ہے

اور اب آپ کے سوال سے معلوم ہوا ہے کہ انکا یہ خواب سُکڑتا سُکڑتا پنجاب تک محدود ہو گیا ہے۔ آخر کاریہ قادیان کے اندر محصور ہو کر رہ جائے گا۔ اگرچہ وہاں بھی انہوں نے بھارتی حکومت سے وفاداری کا اعلان کیا ہے۔ لیکن ان کی وال نہیں گل سکتی۔ اوروں کی تو بھلا کیا چلتی آج تک پنجاب ہی سکھستان نہیں بن سکا۔ ہندو بیویوں نے سب کا دماغ ٹھیک کر کے رکھ دیا اور پنجاب و پاکستان کے مسلمان تو پہلے سے ہی مزارنیوں کو انگریز کا خود کاشتہ پودا سمجھتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے انگریز کی خاطر جہاد کو حرام قرار دیا تھا۔ مسلمان تو ایک لمحہ کے لیے بھی کسی مزارنی یا کمیونسٹ صدر کو برداشت نہیں کر سکتے۔

پاکستان کا مستقبل

پاکستان کے مستقبل سے متعلق آپ کی کیا رائے ہے ؟

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کی وطن سے محبت کا یہ عالم تھا کہ ابھی سوال ختم ہونے بھی نہ پایا تھا کہ جواب دینے لگے۔ فرمایا :

مجھے تو پاکستان کا مستقبل روشن نظر آ رہا ہے۔ آپ کے سوال سے جس مایوسی اور بددلی کا اظہار ہو رہا ہے۔ یہ متبادل قیادت، حصول اقتدار، ذاتی مسابقت کی جہد و جہد اور دوبارہ انتخابات، ایسے نعروں کے سبب پیدا ہو رہی ہے۔ انشاء اللہ وہ دن دُور نہیں جب یہ تمام نعرے اپنی موت آپ مرجائیں گے۔ کیونکہ گزشتہ انتخابات کے نتیجہ میں پہلی گورنمنٹ قائم ہوئی ہے جس کو آئینی طور پر پانچ سال تک حکومت کرنے کا حق حاصل ہے اور یہ حق قوم کی اکثریت نے دیا ہے آئندہ جنرل الیکشن میں قوم جن مقاصد اور جس نظام کو پسند کرے گی اس کے حاملین کو برسرِ اقتدار لے آئے گی۔

رہ گئی ہماری فوجی حالت تو پاکستان کا ہر فوجی مرنے کو جینے پر ترجیح دیتا ہے۔ وہ ایک شیر ہے جس کو زخم پہنچا ہے۔ وہ اپنے جوہر دکھانے کا منتظر ہے اور بحیثیت مسلمان

خدا سے شہادت کی موت کا طالب ہے۔ کیونکہ اس کو اپنوں ہی کے ہاتھوں ندامت کے یہ دن دیکھنے پڑے ہیں۔

ہمارے تاجروں کو بھی یہ معلوم ہونا چاہیے کہ پاکستان کے استحکام کی شکل میں ہی ان کی عزت اور ان کا سرمایہ محفوظ رہ سکتا ہے۔ صنعت کاروں کو صنعت کے ذریعے ملک کو مضبوط تر بنانا چاہیے اور تعلیم یافتہ طبقے کو چاہیے کہ وہ نوکری پر اپنے مقصد کو ترجیح دیں اور جہاد کے مخالفین کے ہتھکنڈوں کو ناکام بنانے کے لیے علماء حق کا ساتھ دیں۔



مولانا مفتی محمود حسن فکرا گنجی از پوز آور
 ازان سحر شیب شمس القضاہی
 میر کا مجموعہ

بصیرت افروز تقاریف کا مجموعہ
بعضی معلومات کا بے بہا ذخیرہ
اسات کا گہرا تجزیہ

سیاسی حالات کا ایک جامع کتاب

عالمی قوانین پر ایمان

مختار الفین کے اعتراضات کا مکمل جواب

○ فتاویٰ علینہ
○ سوالات کا علمی و عملی جواب
○ آفٹ اسکین کتابت
○ سفرات ۱۲۸

آئینہ میل سرورق ۵۰ صفحات ۲/۵
عمدہ طباعت ۵۰ قیمت ۲/۵

١٠٠

○

ت. ۱۵۰
صفحات ۴
کتابین سرورق

رق ۱۰ علی کتابت ۵ میاری طاعت

تقریر اور روح پرورد تجاریک التوا کا مجموعہ
مسلمان کی متفقہ آراء

اللہ تعالیٰ کی متفقہ تحریر
عالمی قوانین کی حاکمیت

تفصیل جمع پر مبنی جائزہ

یہودیوں پر ہر لحاظ سے جامع حکمت

یہاں سے متعلق تحقیقت پسندانہ حقائق

شکل کی توثیق و تفسیر میں اصولی باتیں

۱۵۰۰

۱۰ علی کتابت ۵ مسامعہ

میری عیبت



22

کی آمد کے بعد

کی داستان خوشحان

کی داستان خونچکان
ستم کی دلسوز تارخ

ستم کی دلسوز تاریخ
را نہ کردار

از آن کردار

262

24 24 24 24 24

٢٤ ٢٥ ٢٦ ٢٧ ٢٨

کیشنز

(continued)

~~~~~

॥ ॐ नमो भगवते वासुदेवाय ॥

| Country        | 1950 | 1960 | 1970 | 1980 | 1990 | 2000 | 2010 | 2020 | 2030 | 2040 | 2050 |
|----------------|------|------|------|------|------|------|------|------|------|------|------|
| Japan          | 7    | 8    | 10   | 12   | 14   | 16   | 18   | 20   | 22   | 24   | 26   |
| Germany        | 10   | 11   | 12   | 13   | 14   | 15   | 16   | 17   | 18   | 19   | 20   |
| France         | 11   | 12   | 13   | 14   | 15   | 16   | 17   | 18   | 19   | 20   | 21   |
| Italy          | 12   | 13   | 14   | 15   | 16   | 17   | 18   | 19   | 20   | 21   | 22   |
| Spain          | 13   | 14   | 15   | 16   | 17   | 18   | 19   | 20   | 21   | 22   | 23   |
| Sweden         | 14   | 15   | 16   | 17   | 18   | 19   | 20   | 21   | 22   | 23   | 24   |
| Belgium        | 15   | 16   | 17   | 18   | 19   | 20   | 21   | 22   | 23   | 24   | 25   |
| United Kingdom | 16   | 17   | 18   | 19   | 20   | 21   | 22   | 23   | 24   | 25   | 26   |
| Canada         | 17   | 18   | 19   | 20   | 21   | 22   | 23   | 24   | 25   | 26   | 27   |
| United States  | 18   | 19   | 20   | 21   | 22   | 23   | 24   | 25   | 26   | 27   | 28   |
| China          | 19   | 20   | 21   | 22   | 23   | 24   | 25   | 26   | 27   | 28   | 29   |
| India          | 20   | 21   | 22   | 23   | 24   | 25   | 26   | 27   | 28   | 29   | 30   |
| South Africa   | 21   | 22   | 23   | 24   | 25   | 26   | 27   | 28   | 29   | 30   | 31   |
| South Korea    | 22   | 23   | 24   | 25   | 26   | 27   | 28   | 29   | 30   | 31   | 32   |
| Poland         | 23   | 24   | 25   | 26   | 27   | 28   | 29   | 30   | 31   | 32   | 33   |
| Portugal       | 24   | 25   | 26   | 27   | 28   | 29   | 30   | 31   | 32   | 33   | 34   |
| Spain          | 25   | 26   | 27   | 28   | 29   | 30   | 31   | 32   | 33   | 34   | 35   |
| Italy          | 26   | 27   | 28   | 29   | 30   | 31   | 32   | 33   | 34   | 35   | 36   |
| France         | 27   | 28   | 29   | 30   | 31   | 32   | 33   | 34   | 35   | 36   | 37   |
| Germany        | 28   | 29   | 30   | 31   | 32   | 33   | 34   | 35   | 36   | 37   | 38   |
| Japan          | 29   | 30   | 31   | 32   | 33   | 34   | 35   | 36   | 37   | 38   | 39   |
| China          | 30   | 31   | 32   | 33   | 34   | 35   | 36   | 37   | 38   | 39   | 40   |
| India          | 31   | 32   | 33   | 34   | 35   | 36   | 37   | 38   | 39   | 40   | 41   |
| South Africa   | 32   | 33   | 34   | 35   | 36   | 37   | 38   | 39   | 40   | 41   | 42   |
| South Korea    | 33   | 34   | 35   | 36   | 37   | 38   | 39   | 40   | 41   | 42   | 43   |
| Poland         | 34   | 35   | 36   | 37   | 38   | 39   | 40   | 41   | 42   | 43   | 44   |
| Portugal       | 35   | 36   | 37   | 38   | 39   | 40   | 41   | 42   | 43   | 44   | 45   |
| Spain          | 36   | 37   | 38   | 39   | 40   | 41   | 42   | 43   | 44   | 45   | 46   |
| Italy          | 37   | 38   | 39   | 40   | 41   | 42   | 43   | 44   | 45   | 46   | 47   |
| France         | 38   | 39   | 40   | 41   | 42   | 43   | 44   | 45   | 46   | 47   | 48   |
| Germany        | 39   | 40   | 41   | 42   | 43   | 44   | 45   | 46   | 47   | 48   | 49   |
| Japan          | 40   | 41   | 42   | 43   | 44   | 45   | 46   | 47   | 48   | 49   | 50   |
| China          | 41   | 42   | 43   | 44   | 45   | 46   | 47   | 48   | 49   | 50   | 51   |
| India          | 42   | 43   | 44   | 45   | 46   | 47   | 48   | 49   | 50   | 51   | 52   |
| South Africa   | 43   | 44   | 45   | 46   | 47   | 48   | 49   | 50   | 51   | 52   | 53   |
| South Korea    | 44   | 45   | 46   | 47   | 48   | 49   | 50   | 51   | 52   | 53   | 54   |
| Poland         | 45   | 46   | 47   | 48   | 49   | 50   | 51   | 52   | 53   | 54   | 55   |
| Portugal       | 46   | 47   | 48   | 49   | 50   | 51</ |      |      |      |      |      |

روداد برصغیر

## انگریز کی آمد سے پہلے

انگریز کی آمد کے بعد

برصغیر ہندوپاک کے سنہری دور کا گہرا جائزہ ○ برصغیر ہندوپاک کی داستان خونچکان

فوحشالی اور امن و آشتی کی حیرت انگیز داستانیں ○ فرنگی کے ظلم و ستم کی دلسوز تاریخ

گوروں کو برصغیر سے نکلانے کے لیے علما، حق کا قاتلانہ کردار

عشق و شکر پر آری ہے

عزیزیلیکیشنز

۵۶۔ میکلوڈ روڈ ○ لاہور







(یہ تقریر مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے ۳ جولائی ۱۹۶۴ء کو صوبائی اسمبلی میں فرمائی تھی اور یہ اسمبلی کے ریکارڈ سے نقل گئی ہے۔)

محمدؐ و فصلی علی رسولہ الکریم

۳ جولائی ۱۹۶۴ء کو جب صوبائی اسمبلی کے اجلاس میں عائلی قوانین کی تیسخ کی سفارش والی قرارداد پیش ہوئی تو اس کے خلاف چند عورتوں اور ایک مرد نے سوچی سمجھی تقریریں کر کے پرویز اور بلحدوں کی نمائندگی کا حق ادا کیا۔ جس سے حساس ممبران خاصے ادا اس ہوئے۔ اس کے بعد مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کو تقریر کا موقع ملا۔ اب آپ کھڑے ہوئے۔

سپیکر : مولانا غلام غوث صاحب ! آپ کو پانچ منٹ ملیں گے۔  
مولانا غلام غوث ہزاروی : جناب سپیکر ! اگر مخالف شریعت کو آدھ گھنٹہ مل سکتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ میں شریعت کی حمایت کروں اور مجھے پانچ منٹ ملیں۔ یہ بڑا ظلم ہے۔ میں واک آؤٹ کر جاؤں گا۔ اور میں سمجھوں گا کہ ایوان اس شریعت کو مسخ کرنا چاہتا ہے۔ آپ میرے دلائل سنیں۔ جب آپ نے ایوان کو ان کے دلائل سنوائے اور کفر کی باتیں سنوائی ہیں تو اب آپ ذرا میری باتیں بھی سنیں اور سنو آئیں۔

سینئر ڈپٹی سپیکر : آپ ضرور سنائیں گے۔ آپ کو بجائے پانچ منٹ کے دس منٹ ملیں گے۔ اس سے زیادہ وقت نہیں ملے گا۔

مولانا غلام غوث ہزاروی : جتنا وقت میاں عبداللطیف صاحب کو ملا ہے۔ اتنا وقت مجھے بھی دیا جاتے۔

سینئر ڈپٹی سپیکر : انہوں نے پندرہ منٹ لیے ہیں آپ کو دس منٹ ملیں گے۔ اس کے متعلق جو کچھ فرمانا چاہیں آپ فرمائیں۔ باقی ممبر صاحبان بھی بولنا چاہتے ہیں

## مقامِ افسوس

مولانا غلام غوث ہزاروی : مسلمان قوم کچھ یہ اس سے بڑھ کر کوئی حادثہ نہیں ہو سکتا کہ اسلام کے بارے میں بعض مسلمانوں کے دلوں میں شکوک اور وسوسے پیدا ہونے لگیں لارڈ میکالے نے کہا تھا کہ ”میں اس تعلیم سے مسلمانوں کو عیسائی تو نہیں بنا سکوں گا، لیکن مسلمان بھی نہیں رہنے دوں گا“ مجھے افسوس ہے کہ آج اس ملک میں ایسے افراد پیدا ہو گئے ہیں جو لارڈ میکالے کے اس مقولے کے مصداق ہیں۔

## ماہرین فنِ مجلس کا قیام

ہر فن اور ہر شعبہ کے لیے ماہرین فن کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے ہماری حکومت نے ہر محکمہ کے لیے ماہرین فن کا کیشن مقرر کیا ہے، لیکن افسوس ہے کہ جب شرعی احکام طے کرنے کا وقت آیا تو وہ لوگ مقرر ہوئے جن کو قطعاً شریعت کا ماہر نہیں کہا جاسکتا، یہ تو جناب والا ! جن لوگوں کے نام لیے گئے ہیں۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو میں ان کی حقیقت حال کھولتا۔ چونکہ اب وہ نہیں ہیں اس لیے ان کے بارے میں کچھ عرض کرنا مناسب نہیں ہے۔



## احترام شریعت

جناب ! یہ شریعت ہے، بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ یہ چوری چھپے دنیا پر غالب نہیں آئی۔ یہ میدان میں بحث کر کے کفر اور باطل پر غالب آئی ہے۔ جناب والا! اگر کسی کو اس سلسلے میں بحث کرنے کی ضرورت ہے تو میں آپ کو ثالث مقرر کر کے تمام دلائل اور پوائنٹس پر بحث کرنے کو تیار ہوں۔

صدر محترم ! میں آپ کے سامنے عالی قوانین کے مصنفین کی جہالت بتانا چاہتا ہوں کیوں کہ عالی کمیشن کے بارے میں محترمہ بیگم اشرف عباسی صاحبہ نے یہ فرمایا ہے کہ اس کا کوئی ”جزو“ شریعت کے خلاف نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا کوئی ”حرف“ شریعت کے مطابق نہیں ہے۔ (اس پر ایک بیگم صاحبہ تلملانے لگیں) مولانا غلام غوث ہزاروی : آپ ذرا سینہ تھام کر سنیں۔

احمد سعید کرمانی : پوائنٹ آف آرڈر۔ مولانا کو ”سینہ تھام کر“ کے الفاظ واپس لینی چاہئیں۔ (آوازیں، نہیں نہیں! یہ الفاظ غیر ایمانی نہیں ہیں)

مولانا غلام غوث ہزاروی : میرا ارادہ ”کلیجہ تھام کر“ کہنے کا تھا۔ ”سینہ تھام کر“ بولنے سے قطعاً کوئی اور خیال نہ تھا یہ تو آپ نے مجھے متوجہ کیا ہے۔

## عدت اور ایام عدت

جناب سپیکر ! ان خواتین کو معلوم ہے کہ عورتوں کا منتہلی کو رس مختلف ہوتا ہے جب ایک خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کو عدت گزارنی پڑتی ہے۔ یعنی دوسری شادی کرنے سے پہلے کچھ مدت اسے انتظار کرنا پڑتا ہے اس کو عدت کہتے ہیں قرآن کریم میں ہے **وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَ قُرُوءٍ** جن کو طلاق مل جاتے وہ تین قرو تک انتظار کریں۔ (یعنی تین ماہواری دوروں تک) اس کی جگہ

عالمی کمیشن نے نوے دن لکھا ہے۔ میں صاحبزادیوں، بہنوں اور بیگمات سے عرض کروں گا کہ وہ خود سوچیں آیا ماہانہ عادت اور کورس ستورات کا مختلف رہتا ہے یا نہیں۔ آج ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے۔ کل وہ نماز پڑھنا چھوڑ دیتی ہے اور چھ دن وہ نماز نہیں پڑھتی۔ پھر بیس دن پاک رہ کر نماز پڑھتی ہے۔ یہ چھ بیس دن ہو گئے۔ پھر چھ دن ناپاک رہتی ہے۔ اب بیس دن ہو گئے۔ پھر بیس دن پاک رہتی ہے۔ یہ باون دن ہو گئے۔ پھر تیسری بار چھ دن کا ماہواری دورہ پورا ہونے پر کل اٹھاون دن بن گئے اور اس طرح اس کی عدت پوری ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ لیکن یہ قانون اس کو نوے دن سے پہلے دوسرے نکاح کی اجازت نہیں دیتا۔ میں پوچھتا ہوں کہ قرآن کریم تو تین ماہواری دوے مدت مقرر کرتا ہے اور یہ قانون نوے دن مقرر کرتا ہے۔ آپ نے جھوٹے فتوے نقل کیے ہیں کہ جی علماء نے فلاں فلاں کو کافر کہا ہے۔ یہ سب تاریخی غلط بیانیاں ہیں۔ لیکن میں آپ کے سامنے ایک فتویٰ لکھ دیتا ہوں کہ جو شخص قرآن کریم کی مقرر کی ہوئی عدت یعنی تین ماہواری دوروں کی میعاد کو صحیح نہیں سمجھتا اور اس کے مقابلہ میں نوے دن کی عدت کو صحیح سمجھتا ہے وہ کافر ہے۔ (ہیر ہیر)

آپ کیا سمجھتے ہیں۔ یہ قرآن ہے۔ اس میں تفسیر اور ترمیم ہرگز نہیں کی جاسکتی

## علماء کی قربانیاں

جناب والا! میں عرض کروں گا میرے دوست نے بیان کیا ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو کوڑے لگواتے گئے، جیل میں ڈالا گیا۔ اس لیے کہ مولوی نے فتوے دیے۔ افسوس ہے اور اس غلط بیانی سے ان کو شرم آنی چاہیے کیا سارے علماء ان کے ساتھ نہ تھے؟ یہ برسرِ اقتدار طبقہ محدود برعقیدہ ہو گیا تھا اس نے اپنے

بدعتیہ ہونے کی وجہ سے خلقِ قرآن کا مسئلہ اٹھایا اور کہا کہ قرآن مخلوق ہے۔ علمائے مخالفت کی اور علماء کے سربراہ امام احمد بن حنبلؒ تھے۔ جن کو جیل میں ڈالا گیا اور کوڑے لگائے گئے۔ یہ دوسری بات ہے کہ علماء کا مسلک تھا کہ اختلافِ مسلک کی وجہ سے ملک میں بغاوت نہیں کرنی چاہیے اور یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے کہ جب تک حکومت اور امیر مملکت مسلمان اور اسلامی حدود کے اندر ہو تو اس وقت تک بغاوت حرام ہے اس لیے کہ فسق و فجور کو دبانے سے پڑوسی کفر کے غلبے کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ اس لیے ہمیشہ علماء کرام نے حق کہا اور حق کی پاداش میں مصائب برداشت کیے۔ مگر بغاوت نہیں کی۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ گوالیار کی جیل میں گئے، امام احمد بن حنبلؒ نے کوڑے کھائے، لیکن حق کہا، سارے علماء کی نمایندگی کی، کسی عالم نے ان کے خلاف فتویٰ نہیں دیا۔ یہ حضرات تو خود علماء کے نمائندے تھے اور علماء ان کے ساتھ تھے۔

## طلاق

مسٹر عبداللطیف صاحب نے جتنے حوالے نقل کیے ہیں۔ یہ تاریخی جھوٹ ہے اور یہ سب وہ حوالہ جات ہیں جن کو قادیانی اور پرویزی نقل کیا کرتے ہیں۔

عائلی قوانین میں ایک غلطی یہ ہے کہ طلاق کے بعد جب چہرین صاحب کو نوٹس دیا جائے گا اور جب وہ فیصلہ کرے گا۔ اس کے بعد طلاق نافذ ہوگی۔ حالانکہ طلاق منہ سے نکلتے ہی واقع ہو جاتی ہے

جناب والا! تیسری بات یہ ہے کہ ایک ماہ کے اندر اندر چہرین صاحب کو نوٹس دیا جائے گا۔ اس نوٹس کے بعد عدت کی میعاد شروع ہوگی۔ حالانکہ عدت کی میعاد طلاق کا لفظ نکلتے ہی شروع ہونی چاہیے۔ پھر ایک بیگم صاحبہ نے یہ کیسے کہا ہے کہ



اس قانون میں ایک ”لفظ“ بھی شریعت کے خلاف نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں اس قانون کا ایک ”لفظ“ بھی شریعت کے مطابق نہیں ہے۔ (ہیر ہیر)

## علماء کا اجلاس

مولانا غلام غوث ہزاروی : یہ قانون غلط ہے۔ قوم اس کو نہیں مانے گی اور قوم اس کو برداشت بھی نہیں کرے گی۔ پہلے تو علماء خاموش رہے۔ مگر جب ابراہیم وزیر قانون نے یہ اعلان کیا کہ ہماری گورنمنٹ ایک آرڈینیٹنس کے ذریعہ عائلی کمیشن کی رپورٹ کو قانونی شکل دینا چاہتی ہے۔ تو سارے مغربی پاکستان کے علماء اکٹھے ہوتے اور دہلی دروازہ کے باہر جلسہ ہوا اور ہم نے کھلم کھلا حکومت کو متنبہ کیا کہ یہ غلط اقدام مت کرنا۔ اس کو عوام نہیں مانیں گے اور میں آج پھر کہتا ہوں کہ مسلم قوم اس کو کسی طرح برداشت نہیں کرے گی

## پرنسپل لارمیں مداخلت

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جوان قوانین میں خد کریں گے دراصل وہ حکومت کے لیے مشکلات پیدا کریں گے۔ اس لیے کہ یہ مذہب کا معاملہ ہے۔ میں کہوں گا کہ انگریز آئے اور گئے اس کو ہمارے پرنسپل لارمیں مداخلت کی جرأت نہیں ہوتی۔ بھارت گورنمنٹ کافر گورنمنٹ ہے۔ وہ پھر بھی جرأت نہیں کر سکتی کہ ہمارے پرنسپل لارمیں مداخلت کرے۔ نکاح، طلاق اور وراثت جیسے مسائل کے اندر کوئی گورنمنٹ مداخلت نہیں کر سکتی۔ میں ایک اور بات کہتا ہوں۔ فرض کیجئے ہمارے ارباب اقتدار کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ چلو نہ سہی۔ مگر آپ کون ہوتے ہیں دس کروڑ مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے والے؟ ان کے مذہبی خیالات میں مداخلت کرنے والے آپ ہیں کون؟ آپ کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ آپ ہندوؤں کے پرنسپل لارمیں تو مداخلت نہیں کر سکتے۔

انہیں مردے جلانے سے روک نہیں سکتے، آخر آپ مسلمانوں کی، مذہبی رسوم، عبادات اور خیالات میں مداخلت کیوں کرتے ہیں؟ حکومت کو مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے رہ گئی شریعت کی تعبیر کیا ہے تو چودہ سو سال کے بزرگان دین کی متفقہ تعبیرات کے مقابلہ میں چند مسٹر، کنٹوں اور پتلونیوں کی تعبیر کیسے مانی جاسکتی ہے۔ میرے دوست عبداللطیف نے کہا ہے کہ میں عالم نہیں ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر آپ عالم نہیں ہیں تو جاہل کو کوئی حق نہیں کہ شریعت کے بارے میں رائے دے اور قرآن پاک سے کھیلے (مالیاں، قہقہے ہنسی) یہ کام علماء کا ہے، یہ کام ماہرین دین کا ہے۔ میں مانتا ہوں آپ مصر، مراکش، یالیبا سے دو دو علماء لائیں، لیکن احساس کمتری نہیں ہونا چاہیے۔ آپ کے پاکستان میں جلیل القدر علماء موجود ہیں ان میں سے بھی چار عالم بٹھائیے اور وہ فیصلہ کریں کہ کونسی چیز شریعت ہے اور کونسی نہیں ہے۔ ہم کو منظور ہے۔

یہ نہیں ہو سکتا کہ شریعت کو بازیچہ اطفال بنا دیا جائے۔

احمد سعید کرمانی : یہ ٹھیکیداری بند کیجیے۔

مولانا غلام غوث ہزاروی : میں ٹھیکیداری کی بات نہیں کرتا۔ میں عرض کروں گا۔ جو بھی شریعت کا ماہر ہو۔ آپ آجائیے کوئی آجائے۔ لیکن شریعت کا ماہر ہو۔ ایسا نہ ہو کہ پیشاب کیا اور اگر جماعت میں شریک ہو گئے۔ کسی نے پوچھا۔ جناب نے وضو کیا؟ تو جواب دیا کہ نہیں۔ پوچھا۔ پھر نماز میں شریک کیسے ہو گئے۔ جواب دیا تھوڑا سا ثواب تول ہی جائے گا۔ اس طرح کے ماہرین کی ہم کو ضرورت نہیں ہے میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دو مسئلوں پر خصوصیت سے بحث ہو رہی تھی۔ ایک نکاح ثانی پر اور دوسرے پر تکیہ وراثت پر۔

سینئر ڈپٹی سپیکر : آپ کا وقت ختم ہو گیا ہے، آپ اپنا پوائنٹ پورا کر لیں۔

مولانا غلام غوث ہزاروی : میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہاں نکاح ثانی اور بھتیجے اور چچا کی



موجودگی میں وراثت کے بارے میں شریعت کے خلاف جو زہرا گلا ہے۔ اس کے جواب کا موقعہ دیا جاتے آپ کا فرض ہے۔ کیونکہ آپ نے وعدہ کیا ہے کہ میں جواب کے لیے وقت دوں گا اور پھر یہ دین کا مسئلہ ہے۔

## عورتوں کے حقوق

جناب سپیکر ! میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ محترمہ بیگم صاحبہ نے فرمایا ہے کہ عورتوں کو تھوڑے حقوق ملے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ عورتوں کو جتنے بھی حقوق ملیں ہیں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن شریعت پامال نہیں ہونی چاہیے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ آج علماء نے عورتوں کو کیا دیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کو علم نہیں ! سابق صوبہ سرحد میں علماء نے شریعت بل پاس کر داکر عورتوں کو وراثت دلائی ہے اور کلابہ جی کے ایک بڑے عالم اس میں شہید بھی ہوئے۔ اس کے علاوہ یہ کاظمی ایکٹ کیا ہے۔ یہ عورتوں کو مختلف تکالیف کی وجہ سے فسخ نکاح کا دعویٰ کرنے کی اجازت کا قانون علماء ہی نے تو بنوایا۔ اس کے مقابلہ میں ان بیگم صاحبہ نے جو بل پیش کیا تھا۔ قطعاً مکرو فریب سے بھرا ہوا تھا۔ جس کا نام ”قاضی کورٹ“ تھا۔ اس سے پہلے پہل تو مجھے بھی غلط فہمی ہوتی کہ ہر تحصیل میں کوئی افسر مقرر کیا جائے گا۔ جو سرسری طور پر تکلیف کی ماری اور مصیبت زدہ عورتوں کی کہانیاں سن کر شریعت کے مطابق جلد فیصلے کرے گا۔ تاکہ ان کو مصیبت سے نجات دلائے۔ چاہے خاوندان کو رکھیں یا چھوڑیں۔ ان کا آخر میں جا کر مطلب یہ نکلا کہ قاضی عدالت سے مراد سیشن جج اور ڈسٹرکٹ جج ہے۔ یعنی یہ مقدمات ڈسٹرکٹ جج یا سیشن جج کے پاس ہوں۔ اس نے بیچاری عورتوں کے لیے تو اور مشکل پیدا کر دی تھی کہ یہ دُور دراز سے مصیبتوں کے ساتھ وہاں آئیں سیشن کے پیش ہوں۔ دراصل یہ تو صرف الیکشن سنٹ تھا۔ جس سے عورتوں کو دھوکہ دیا گیا۔ آپ نے کیا خدمت کی ؟ علماء



نے تو بروقت آپ کے حقوق کے لیے کام کیا۔ ایک اور بات ہے، اگر یہ قانون وضع کرنے والے مخلص ہوتے اور وہ آپ کی ہمدردی کے لیے دوسری شادی روکنا چاہتے تو ان کو چاہیے تھا کہ یہ قانون بناتے کہ عورتوں کے خاوند غیر عورتوں کے ساتھ ڈانس نہ کیا کریں، کلبوں میں دوسری عورتوں سے محبت نہ کیا کریں۔ چٹکوں میں نہ جایا کریں اور گھروں میں بے نکاح داشتائیں نہ رکھا کریں۔ (پُر زور تالیاں اور نعرہ ہائے تحسین) ایسا کیوں نہیں کیا۔ اس لیے کہ جب ایک شخص نے دو نکاح کیے۔ چیمپین نے رپورٹ کر دی تو عدالت نے فریقین کو بلایا۔ ”تم نے دوسری شادی کی ہے؟“ خاوند نے کہا ”نہیں صاحب“ کہا گیا کہ اچھا عورت کو بلاؤ۔ عورت کو بلایا گیا۔ ”کیا تم نے فلاں سے شادی کی ہے؟“ اس نے کہا ”صاحب کوئی شادی نہیں کی“ دونوں سے سوال ہوا ”کہ جب تمہارا نکاح نہیں ہوا تھا تو پھر کیسے رہتے ہو؟“ کہا کہ ”یارا نہ ہے اور دوستا نہ تعلق ہے“ کہا ”اچھا پھر تو خیر ہے جاؤ۔“ (تالیاں اور قہقہے)

ٹف ہے۔ نکاح ہو تو جرم ہے۔ ایک سال کی قید ہے۔ اگر بیس داشتائیں رکھ لیں تو کوئی عیب اور جرم نہیں ہے۔ یہ قانون عورتوں کی ہمدردی کے لیے نہیں۔ دھوکہ دینے کے لیے بنا ہے۔ اور عورتوں کو بازار میں لانے کے لیے بنا ہے۔

## بے پردگی اور عریانی

مولانا غلام غوث ہزاروی: قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

وَلَا يَبْدِيْنَ زِينَتَهُنَّ — خاوند اور محرم لوگوں کے سوا زینت کو ظاہر نہ کرے۔

اور یہ بازاروں میں پھر پھر اگر اسلام کی نمائندگی کرتی ہیں۔ یہ چار سو عورتیں۔ یہ پانچ سو عورتیں۔ چلو ہزار سہی۔

سپیکر: مولانا صاحب! آرڈر۔ ذرا ٹھہریے آپ کا نام ختم ہو گیا ہے۔



سن سکتے۔

سپیکر: مولانا صاحب! آپ کے دو منٹ ختم ہو چکے ہیں۔ اب آپ تشریف رکھیں  
مولانا غلام غوث ہزاروی: نکاح کے بارے میں کہہ دوں۔

سردار ڈوڈا خاں: مولانا کو اور وقت دیجیے۔

سپیکر: نہیں نہیں (۱۷:۱۷) ایوان میں آوازیں۔ وقت دیجیے اور ضرور دیجیے۔  
سپیکر: آپ میرے فرائض میں مداخلت بالکل نہ کریں۔ میں ان کو بالکل وقت نہیں  
دوں گا۔ وقت ختم ہو چکا ہے۔

مولانا غلام غوث ہزاروی: میں آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بیٹھتا ہوں۔  
(سپیکر کی رولنگ کے خلاف دونوں طرف کے اشرار اکیں واک آؤٹ کر گئے)

سردار ڈوڈا خاں: جناب سپیکر! میں اپنا وقت بھی مولانا صاحب کو دینا چاہتا ہوں۔  
صاحبزادی محمودہ بیگم: پوائنٹ آف آرڈر۔ آپ مولانا سے کہیں کہ اپنے الفاظ واپس لیں  
سپیکر: اجلاس کی کارروائی پندرہ منٹ کے لیے ملتوی کی جاتی ہے۔

مولانا غلام غوث ہزاروی: میں نے ان کی تاریخی روایات کو جھوٹا کہا ہے۔

سپیکر: پھر تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ باقی جہاں تک مولانا کی اس بات کا تعلق ہے کہ  
یہ قانون عورتوں کو بازار میں لانے کے لیے بنایا گیا ہے۔ ریزولیشن کے موضوع  
کو دیکھتے ہوئے میں اُسے غیر پارلیمانی تو قرار نہیں دے سکتا، لیکن یہ غیر مناسب  
ضرور ہے۔ (قطع کلامیاں)

ڈاکٹر بیگم اشرف عباسی: چونکہ بحث شرافت کی حد سے باہر جا رہی ہے اس لیے ہم  
دو منٹ کے لیے باہر جاتے ہیں۔

(اس مرحلہ پر صاحبزادی محمودہ بیگم اور ڈاکٹر صاحبہ ایوان سے باہر تشریف لے جاتی ہیں)



## عظیم کامیابی

چونکہ سرکاری اور غیر سرکاری بنچوں کے تقریباً تمام معزز ممبران نے مولانا کو کم وقت دینے پر احتجاج کرتے ہوئے واک آؤٹ کر دیا تھا جس سے کورم ٹوٹ گیا اور سپیکر صاحب کو اجلاس ملتوی کرنا پڑا۔ اس وقت لابی میں ممبران اسمبلی کی خوشی قابل دید تھی، مبارک مبارک کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ مسرت سے معمور چہرے مولانا کو اپنے کانڈھوں پر اٹھانے کے لیے بے تاب تھے چہرے ایسے بشاش تھے جیسے عید کا چاند نظر آگیا ہو۔ جب پندرہ منٹ گزر گئے تو تمام ممبران دوبارہ اندر چلے گئے۔ ان کے بعد جوہی مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی اسمبلی ہال میں داخل ہوئے تو سب نے تالیاں بجائیں اب سپیکر صاحب نے ایوان کی متفقہ رائے کے سامنے تسلیم خم کر کے مزید دس منٹ دیے ”لیکن اگر تقریر کی جاتی تو دو ٹنگ کا وقت نہ رہتا۔ اور تحریک فیل ہو جاتی۔“ اس لیے مولانا کے ساتھ تمام اراکین نے دو ٹنگ کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ دو ٹنگ ہوئی۔ ایک مرد اور تین عورتوں کے سوا سب نے تجویز کے حق میں ووٹ دے کر شریعت کا احترام کیا۔ اور دو صدیوں کے بعد سرکاری ایوان میں اسلام کی فتح کا پرچم لہرا کر تاریخی کارنامہ انجام دیا۔ سپیکر نے جب شریعت کی فتح کا اعلان کیا۔ تو اراکان اسمبلی اور سامعین نے انتہائی مسرت کا اظہار کیا، بلحدیث اور پرویزی اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔ بے پردہ عورتوں کو منہ کی کھانی پڑی اور ان کے تمام مذہب و تصورات خاک میں مل گئے۔ نہ صرف یہ کہ ملکی بلکہ لندن تک کے اخبارات کو مرد و ریش مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کی اس عظیم کامیابی پر مضامین لکھنے پڑے۔



## تقریر

(یہ دو تقریریں جو مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے  
۱۵ اپریل ۱۹۷۲ء کو رات سوا سات بجے قومی اسمبلی کے اجلاس  
کی تیسری نشست میں فرمائی اور نمائندہ "ترجمان اسلام" نے  
قلبند کی۔)

## مَحْمَدُہ وَتَصَلَّی عَلَی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

**جناب سپیکر :** بجاوِل پور اور پنجاب دونوں نے ہمارا ایک گھنٹہ کھالیا ہے  
جب کہ اس وقت دنیا کی نگاہیں کئی کروڑ مسلمانوں کے اس معزز اور نمائندہ ایوان پر لگی  
ہوئی ہیں اور اس میں ہماری قوم کے لیے آئین مرتب کیا جا رہا ہے بلاشبہ ہم آئین میں ترمیمیں  
نہیں کر سکتے۔ ترامیم وزیر قانون ہی کریں گے۔ لیکن پھر بھی ہمیں اس کے حسن و قبح پر  
بحث کر کے ان کے سامنے اپنی باتیں پیش کرنی ہیں۔

## اوامر و نواہی اور اصلاحات

**جناب صدر !** ہمیں قرآن پاک نے اوامر و نواہی کا پابند کیا ہے۔ اس لیے  
اللہ تعالیٰ اور قوم کی طرف سے اس ایوان پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اس لیے  
بھی کہ یہ معزز ایوان اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ عزت و نصرت اور مدد اللہ کی طرف  
سے ہے۔ لیکن ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ دستور میں اس (قرآن پاک) کے ساتھ  
اس کے شایان سلوک نہیں کیا گیا اور قرآنی اوامر و نواہی کو بھی تحفظ نہیں دیا گیا جب کہ  
اصلاحات کو تحفظ دیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ ان سب سے زیادہ تحفظ کے مستحق ہیں۔ اس  
طرف بعض معزز ممبران نے بھی اشارہ کیا ہے اور جب تک ہمارا معاشرہ خراب ہے اس

جناب صدر! ہمارے بعض بزرگوں اور ممبران اسمبلی نے کچھ اصلاحات شرعیت کے عین مطابق بتائی ہیں۔ اس قسم کی اصلاحات اگر شرعی ہیں تو ان کو تحفظ ملنا چاہیے۔ اور اگر وہ ان اصلاحات میں شرعیت کا آسرا لیتے ہیں تو اس میں بیشک تین ماہرین قانون اور تین بلند پایہ علماء کرام کی ایک کمیٹی مقرر کر دیں تاکہ وہ ان میں فیصلہ کرے۔ اس طرح جو شرعی تحفظ ان (اصلاحات) کو حاصل ہو گا وہ زیادہ مضبوط ہو گا۔

جناب والا! تحفظات میں عائلی قوانین بھی شامل ہیں۔ اس سلسلے میں





## ذریعہ معاش

جناب صدر ! اس دستور میں ذریعہ معاش کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور یہ حکومت کا سب سے بڑا کا زمامہ ہے کہ اس نے امیر و غریب کو اس قانون کے ذریعے بڑی حد تک برابر رکھا ہے۔ اگرچہ بعض چیزیں تحقیق طلب ہیں اور کچھ اصلاح طلب بھی ہو سکتی ہیں۔ لیکن میں عرض کروں گا اور اس معزز ایوان سمیت آپ کے نوٹس میں بھی یہ بات لاؤں گا کہ سوات، دیر، بالا کوٹ، کاغان اور بشگرام وغیرہ کے لاکھوں مسلمان بکریاں پال کر گزراوقات کرتے ہیں۔ اس قانون کے تحت ایوب خان کے زمانہ میں یہ پابندی لگادی گئی تھی کہ بھیڑیں پالیں، بکریاں نہ پالیں۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ بھیڑ پالو، بکری نہ پالو، خچر پالو، گھوڑا نہ پالو، گدھا پالو، گدھی نہ پالو۔ یہ کوئی قانون ہے! کہ جس کا معیشت پر یہ اثر پڑے کہ سو سو روپے کی بکری پانچ پانچ روپے میں نیلام ہو۔ جس کی وجہ سے عوام کی زندگیاں تباہ ہو کر رہ جائیں۔ میں نہیں جانتا کہ محترم عبدالقیوم خان نے بھی اس کے خلاف جوائیل کی تھی۔ آیا وہ رٹ خارج ہوئی ہے یا واپس لی گئی ہے۔ اس سے تھوڑا عرصہ آرام رہا اور اب وہی تکلیف دوبارہ شروع ہو گئی ہے اور صوبے کے لوگ موت و حیات کی کش مکش میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اس واسطے ذریعہ معاش کے سلسلے میں ایوان کو ایک ایسا ٹھوس قدم اٹھانا چاہیے کہ جس سے یہ کمی پوری ہو جائے۔

## آرڈینیٹنس

جناب صدر ! اس اجلاس میں ایک بات محترم وزیر قانون نے فرمائی ہے کہ گورنر اور صدر آرڈینیٹنس جاری کر سکتے ہیں۔ اس آرڈینیٹنس کو آنے والے اجلاس میں منظوری کے لیے پیش کیا جائے گا اور اس پر کسی نے یہ بھی فرمایا کہ جب تک یہ منظور

نہ ہو جائے اس وقت تک اس پر عمل بھی نہ ہو۔ میں عرض کروں گا کہ یہ بات تشنہ ہے کہ جب صدر یا گورنر آرڈینیٹس جاری کریں گے اور وہ اسمبلی میں منظوری کے لیے اس لیے پیش ہو گا کہ اس کو قبول کرے یا رد کرے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا اسمبلی اس میں ترمیم کر سکے گی یا نہیں کیونکہ جب ہم دن یونٹ کے وقت کی اسمبلی میں اس پر بحث کرتے تھے تو ہمیں یہ کہہ دیا جاتا تھا کہ ترمیم نہیں کی جاسکتی۔ منظور کرو، یا رد کرو۔

میاں محمود علی قصوری : جناب والا ! عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آئین میں اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ اس میں ترمیم اور تفسیح ہو سکتی ہے اور ایسا کرنے کا اسمبلی کو اختیار ہے۔

مولانا غلام غوث ہزاروی : میرے علم میں یہ نہیں ہے کہ ایسی کوئی شرط آئین میں موجود ہے۔ پہلے یہ کمی تھی کہ پہلے والے قانون میں ترمیم نہیں کی جاسکتی تھی۔

## مسلمان کی تعریف

جناب والا ! اس ایوان میں مسلمان کی تعریف پر بھی بحث ہوئی ہے۔ میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس پر کچھ روشنی ڈالوں۔

جناب والا ! کسی شخص کے یہ کہہ دینے سے کہ دو، تین یا چار بیانات میں تضاد موجود ہے۔ یہ لازم نہیں آتا کہ مسلمان کی تعریف نہیں کی جاسکتی، یا مسلمان کی تعریف نہیں کرنی چاہیے۔ میں صفائی کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہوں کہ ہمارا کوئی فرق قطعاً نہیں چاہتا کہ ہمارا صدر کیہونسٹ یا مرزائی ہو۔ مسلمان کی تعریف آگے کر دی جائے گی۔ پہلے ہمیں موجودہ آئین کے متعلق ان دکلاں اور بیسٹروں سے یہ پوچھنا ہوں کہ جب دستور آئین میں مسلمان کا لفظ آگیا ہے اور اس سلسلے میں آئندہ صدارتی انتخاب میں نزاع بھی ہو سکتا ہے۔ تو کیا مسلمان کی تشریح ضروری نہیں؟



جہاں تک اُمیدوار کے کھڑا کرنے کا سوال ہے۔ اس سلسلہ میں یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ مسلمان ہے یا نہیں۔ اگر یہ جھگڑا صدارتی انتخاب کے وقت ہائی کورٹ میں جاتا ہے تو ابھی سے مسلمان کے معنی کیوں نہ متعین کر لیے جائیں۔ اس سلسلے میں — میں گزارش کروں گا کہ خدا کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کا آخری کلمہ لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ یہاں محمد رسول اللہ بھی نہیں فرمایا گیا۔ حالانکہ اس کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین خدا کو تو مانتے تھے لیکن اس کے ساتھ شریک بھی بناتے تھے۔ تو لا الہ الا اللہ یعنی خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ کہنا اس بات کی علامت تھی کہ کہنے والے نے پورا دین اسلام قبول کر لیا ہے۔ اسی طرح سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جس نے ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھی وہ مسلمان ہے“ اس کا بھی مطلب یہ کہ نماز اسلام کی علامت ہے۔ اس لیے جب کوئی نماز پڑھے گا تو ہم اُسے مسلمان کہیں گے۔ لیکن اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی بننے یا کسی کو نبی ماننے کا عقیدہ رکھے تو ہم اُسے کفر کی علامت کی وجہ سے کافر کہیں گے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدۃ“ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ ہوں۔ یہ بھی صرف مسلمان کی علامت ہے کہ وہ دین اسلام کو قبول کرنے والا ہے۔

ایک معزز ممبر — پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب والا! کیا دنیا کے کسی دستور میں ہے کہ ملک کا سربراہ مسلمان ہو اور مسلمان کے حقوق کا تحفظ کرے۔ چیمبرین چوہدری فضل الہی : یہ سوال تو مولانا صاحب سے کیجیے جنہوں نے یہ کہا ہے۔

مداخلت

چوہدری فضل الہی : یہ پوائنٹ آف آرڈر نہیں ہے۔

مولانا غلام غوث ہزاروی : جناب والا ! عرب ممالک کے دساتیر میں درج ہے کہ ہمارا سرکاری مذہب اسلام ہے اور ہمارا مطلب بھی یہی ہے کہ ہمارے آئین کی پہلی دفعہ میں یہ ہونا چاہیے کہ "پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہے" میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ مصر و حجاز وغیرہ میں مرزائیت اور کمیونزم خلاف قانون ہیں میاں محمود علی قصوری : جناب والا ! فرقہ بندی کی باتیں نہیں ہونی چاہیے۔ مولانا غلام غوث ہزاروی : آپ مجھے تقریر کرنے دیں۔

چیمبرین چوہدری فضل الہی : لڑائی بند کرو "یار"

ڈاکٹر محمود حسن بخاری : نیچے کتابیں رکھی ہیں، ان کا جواب ان کتابوں سے مل جائے گا مسٹر احمد رضا قصوری : جناب والا ! مولانا صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا ہے کہ صدر مسلمان ہونا چاہیے، اب اگر مسلمان مسواک کرتا ہو تو آج کل ٹو تھ پیسٹ ہے مولانا غلام غوث ہزاروی : جناب صدر ! یہ مذاق ہے میں اس کے خلاف احتجاج کرتا ہوں۔ اس کو ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ یہ اسلام کا مذاق اڑایا گیا ہے احمد رضا صاحب اپنے الفاظ واپس لیں۔ یہ سنت کی توہین ہے یہ بے شک ولایتی بُرش استعمال کریں۔ اور ہم مسواک استعمال کریں گے میں نے مسلمان کی تعریف میں یہ نہیں کہا کہ مسلمان وہ ہے جو مسواک کرے۔

چوہدری فضل الہی : آپ ایک منٹ کے لیے تشریف رکھیے۔ تھک گئے ہوں گے۔ احمد رضا صاحب ! آپ اپنے الفاظ واپس لیں۔ یہ سنت کی توہین ہے۔ سوال یہ ہے کہ مذہب کا معاملہ ہے۔ اس لیے ایسا مذاق نہیں ہونا چاہیے۔ مسٹر احمد رضا قصوری : میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔

مولانا غلام غوث ہزاروی : ایمان کے لفظی معنی بیان کرنے میں مسلمان کی تشریح ضرور ہوگی۔ اگرچہ آپ اس کا مذاق اڑائیں اور اس کی صحیح تشریح کریں یا نہ کریں۔



### (گیلری میں شور و غل)

مسٹر چیئرمین : جو خواتین و حضرات گیلریوں میں بیٹھے ہیں میں اُن کو اسمبلی کے قواعد سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ کہ وہ نہ تو تالیاں بجائیں، نہ کسی قسم کی کوئی نصرہ بازی کریں اور نہ ہی کوئی بات کریں۔ خواہ اسمبلی کی کارروائی کچھ بھی ہو۔ خاموشی سے سنتی چاہیے۔ (مولانا غلام صاحب ہزاروی کی تقریر کے دوران گیلری میں موجود لوگوں نے نصرے لگائے اور خوب تالیاں بجائیں۔ اس لیے سپیکر صاحب کو یہ حکم دینا پڑا)

ڈاکٹر محمود حسن بخاری : حضور والا ! ہمارے مولانا صاحب جن کا میں بڑا احترام کرتا ہوں انہوں نے کہا ہے کہ آئین میں لفظ "ایمان" کی تعریف نہیں ہے۔ میں ان کا بڑا احترام کرتا ہوں اور ہمارے سران کے سامنے عزت سے جھک جاتے ہیں میں یہ عرض کرتا ہوں حضور والا۔

مسٹر چیئرمین : آپ تقریر کرتا چاہتے ہیں۔  
ڈاکٹر محمود حسن بخاری : جی نہیں تھوڑا سا بیان کرتا ہے۔  
چوہدری فضل الہی : تو پھر آپ تشریف رکھیں۔

مولانا غلام غوث ہزاروی :۔ صدر محترم ! میں مسلمان کی تعریف کے متعلق کچھ عرض کر رہا تھا۔ ایک حدیث سنا دوں "سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ اگر تم کسی گاؤں میں جنگ کے لیے جاؤ۔ اور صبح کے وقت اذان کی آواز آئے تو حملہ نہ کرنا اور اگر اذان کی آواز نہ آئے تو حملہ کر دینا" میری مراد یہ ہے کہ جو لوگ اس قسم کی تعریفیں کرنے کا مذاق کرتے ہیں وہ مجھے بتائیں کہ سرور کائنات علیہ السلام نے مختلف اوقات میں مختلف باتیں بتائیں اور مسلمان کی تعریف کی (یہ تضاد بیان نہیں ہے دراصل یہ سب اسلام کی علامتیں



ہیں، لیکن اب بھی ہم یہ کہتے ہیں مسلمان کون ہے اور کون نہیں۔

میں قرآن و حدیث کے ذریعے یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ خدا اور رسولؐ کی تمام باتوں کو جو شخص دل سے سچا جانے اور سچا مانے یہ اسلام ہے اور اسی کا نام تصدیق ہے اور اگر کوئی شخص خدا اور رسولؐ کی کسی ایک بات کو بھی تسلیم نہیں کرتا، یعنی سچا نہیں مانتا وہ اسی وقت اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اصل اسلام اور کفر تصدیق اور تکذیب کا نام ہے۔ تصدیق و تکذیب دل کی صفات ہیں۔ جو معلوم نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے دل کی بات پر ظاہری طور سے نشانات مقرر کر دیے گئے ہیں۔ مثلاً ایک شخص نماز پڑھتا ہے۔ میں اس کو مسلمان کہوں گا۔ ہاں! نماز کے بعد اگر وہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی آئے گا تو میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔

اگر ایک شخص کلمہ پڑھتا ہے۔ السلام علیکم کتا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا

جو تمہیں سلام کہے اُسے یہ نہ کہو کہ تم مسلمان نہیں ہو

میں اس کو مسلمان سمجھوں گا اور وعلیکم السلام کہوں گا۔ اس کے بعد اگر یہ پتہ لگ

جائے کہ یہ فرشتوں یا تقدیر کا منکر ہے تو میں کہوں گا کہ یہ مسلمان نہیں ہے

مسٹر چیئرمین چوہدری فضل الہی: اس مسئلہ کی کافی وضاحت ہو چکی ہے۔ یہاں آئین کے نافذ کرنے کا سوال ہے۔

مولانا غلام غوث ہزاروی: اس دستور میں کئی ایسی چیزیں ہیں جن میں حکومت والوں کو اختیار ہے جو قانون چاہیں بنائیں اور تحفظ دیں۔ لیکن جن کا تعلق شرعی احکام سے ہے۔ اس میں ذمہ دار علماء کرام کا مشورہ ضروری ہے۔ اگر اس میں ذمہ دار

ماہرین قانون موجود ہیں تو ہمیں اس سے انکار نہیں۔

جب جناب کوثر نیازی نے مشاورتی کونسل میں علماء کو شامل کرنے کا ذکر کیا۔ تو ملک جعفر نے مخالفت کی اور کہا کہ اسلامی تاریخ میں کہیں علماء کی کمیٹی کے قیام کا ذکر نہیں ہے مولانا غلام غوث ہزاروی : پوائنٹ آف آرڈر انہوں نے فرمایا ہے کہ اراکین اسمبلی میں سے عالم لیے جاسکتے ہیں۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ عالم کے معنی ہیں جاننے والا۔ اگر کوئی شخص اس عہدے جاہل ہے وہ کس طرح دینی امور کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ میں یہ اضافہ اور کروں گا کہ وہ مرزائی قطعاً نہ ہو۔

(ایک ممبر خاتون ننگے سر کسی اور ہی انداز سے تقریر کر رہی تھیں۔ اس پر مولانا ہزاروی اٹھے)

مولانا غلام غوث ہزاروی : جناب سپیکر! محترمہ آئینی باتوں سے باہر جا رہی ہیں۔ جو بیان زیر بحث نہیں انہیں روک دیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان کو حکم دیں کہ سر ڈھانک کر تقریر کریں۔ اس میں محترمہ کی بھی عزت ہے اور ایوان کی بھی۔ مسٹر چیئر مین فضل الہی : یہ تو کوئی پوائنٹ آف آرڈر نہیں ہے میں کیا کروں۔

(ایک ممبر خاتون یوں گویا ہوئیں کہ میں ۴۹ فی صد عورتوں کی نمائندہ ہوں۔ پھر کیا تھا۔ مولانا کھڑے ہوئے۔)

مولانا غلام غوث ہزاروی : جناب صدر! محترمہ نے ۴۹ فی صد کی نمائندگی کا دعویٰ کیا ہے۔ حالانکہ یہ ایک فی صد کی نمائندہ ہیں۔ کیونکہ باقی سب عورتیں گھروں میں بیٹھی ہیں۔



(ایک اور صاحب اٹھے انھوں نے قرآنی آیات ہی غلط پڑھ ڈالیں۔ پھر بھلا مولانا کی رگ حمیت بھڑکے بغیر کیسے رہ سکتی تھی)

مولانا غلام غوث ہزاروی : جناب صدر! یہ قرآن کی آیات غلط پڑھ رہے ہیں  
مولانا عبدالحکیم (مولانا ہزاروی کی تائید میں) : جناب صدر! قرآن کو زیرِ زبر کا لحاظ رکھ کر پڑھنا چاہیے۔ اپنی طرف سے اس طرح نہیں پڑھا جاسکتا۔  
مثلاً ایک شخص اَنْعَمْتُ عَلَيْهِمْ کی جگہ اَنْعَمْتُ عَلَيْهِمْ یعنی نہ بر کی بجائے قصداً پیش پڑھے گا تو کافر ہو جاتے گا۔

## قومی زبان

جب انگریزی میں لکھا ہوا عبوری آئین کا مسودہ مولانا ہزاروی کو دیا گیا تو اس پر آپ کھڑے ہوئے۔

جناب سپیکر! پرسوں میں نے ڈپٹی سیکرٹری سے عرض کیا تھا کہ دفتر سے ہمیں یہ ہدایت ملی ہے کہ جو لوگ چاہتے ہیں کہ ان کے پاس اردو زبان میں تحریریں پہنچیں وہ ہم کو لکھ کر دیں میں نے لکھ کر دیا۔ اس کے بعد پرسوں میں نے ان سے عرض بھی کیا اور شکایت بھی کی اس پر وہ وعدہ بھی فرمانے لگے کہ آئندہ آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے گی۔ لیکن آج ہم کو جو ترمیم کی کاپی پہونچی ہے وہ انگریزی میں ہے۔ اس پر ہم کیا غور کر سکتے ہیں تو اس لیے عرض ہے کہ قومی زبان کے ساتھ اتنی بے اعتنائی کرنا اس ایوان کے شایانِ شان نہیں ہے۔  
مسٹر چیئرمین فضل الہی : یہ تو پہلے یقین دہانی کرائی جا چکی ہے کہ آئندہ جو بھی دستاویزات اسمبلی کے دفتر سے ممبران کے پاس جائیں گی وہ جس زبان میں۔ یعنی اردو میں یا انگریزی میں۔ چاہیں گے اسی زبان میں ان کو وہ تحریریں روانہ کر دی جائیں گی، لیکن اس دفعہ چونکہ وقت بہت تموڑا ہے تو یہ وقت اسی سیشن میں تھی۔ اس کا حل جو پہلے دن



تلاش کیا گیا وہ یہ تھا کہ میاں محمود علی قصوری لارنسٹارو میں تراہیم کے متعلق بتائیں گے کہ وہ کیا تراہیم ہیں آپ (مولانا ہزاروی) ایسے تجربہ کار اور پارلیمنٹیر کے متعلق میرا یہ خیال ہے کہ آپ ویسے بھی انگریزی سمجھ لیتے ہیں اور اگر ترجمہ نہ بھی کیا جائے تو آپ کو وقت نہ ہوگی۔

مولانا غلام غوث ہزاروی : یہ ایک اصولی بات ہے۔

مسٹر چیپیرین : وہ آئندہ کے لیے یقین دہانی ہے۔ آئندہ جو اسپیکر کا سیشن ہوگا اس میں ایسا ہی ہوگا۔ لیکن تین دن کے چھوٹے سیشن میں یہ نہیں کیا جاسکتا۔

مولانا غلام غوث ہزاروی : یعنی ہم کو جو پہلے یقین دہانی کرائی گئی تھی ہم اس کو معاف کر دیں۔

مسٹر چیپیرین : یقین دہانی آئندہ کے لیے ہے اس سیشن میں تو معافی مانگی گئی تھی اور آپ نے معافی دے دی تھی۔ اب کچھ فرمادیں کہ آپ کی کیا تراہیم ہیں۔

## صوبائی زبان

ایک ممبر صاحب پشتو زبان میں تقریر کی اجازت چاہتے مگر ان کو اجازت نہیں مل رہی تھی اس پر مولانا مدظلہ نے فرمایا :

اردو زبان کے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہے وہ تو ہے ہی۔ اگر اُن کو پشتو میں بولنے کی اجازت دی جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ (جبکہ غیر قومی زبان انگریزی میں بھی تقریریں ہو رہی ہیں) قومی زبان اردو اس وقت یہاں استعمال نہیں ہو رہی ہے۔ (اگر انگریزی کی اجازت ہے تو صوبائی زبانوں میں کیا حرج ہے؟)



# نوائے الفتیبا

مولانا غلام غوث ہزاروی

کے

انسٹروٹور اور تقاریر کا مجموعہ

غزنی پبلیکیشنز

۵۶۔ میکلوڈ روڈ، لاہور